تمثیلِ داغؔ

(نواب مرزا خان داغؔ کی حیات اور اُن کی
رومانی شخصیت پر مبنی ایک ریڈیائی ڈراما)

اشرف عادلؔ

میزان پبلشرز سرینگر کشمیر

تمثیلِ داغ

(نواب مرزا خان داغ کی حیات اور رومانی شخصیت پر مبنی ریڈیائی ڈراما)

اشرف عادل

ناشر

میزان پبلشرز سرینگر

انتساب

والدِ محترم مرحوم و مغفور

الحاج شیخ عبدالاحد

کی نذر

ہر منزل پر تیری ضرورت محسوس میں کرتا ہوں
گھر میں آج بھی تیری حکومت محسوس میں کرتا ہوں
ذکر و اذکار کہیں گونج اُٹھے اللہ کے گھر میں
تیری طہارت تیری عبادت محسوس میں کرتا ہوں

(اشرف عادلؔ)

داغؔ یہ بزمِ سخن کیا عالمِ تصویر ہے
ہاتھ میں رکھتا ہے گویا ہر سخنور آئینہ

اے داغؔ نرم اہل سخن گرم ہوگئی
گرمی تیرے کلام میں بھی انتہا کی ہے

پہلے یہ دُعا مانگ لی اس کو نہ ہو صدمہ
جب درد کہا داغؔ نے غم خوار کے آگے

محشرِ خیال

ڈرامے کی تاریخ یا روایت اتنی ہی پرانی ہے جتنا کہ خود حضرتِ انسان چونکہ انسان ابتداء میں اپنے خیالات واحساسات وجذبات دوسروں تک اِشاروں کے ذریعے پہنچاتا تھا۔ ڈرامے کا آغاز یہی سے ہوتا ہے۔ یہ وہ دور تھا جب انسان نے ابھی بولنا نہیں سیکھا تھا۔ بعد ازاں زبان کی ترقی کے ساتھ ساتھ ڈرامہ ترقی کی منزلوں کو چھوتا گیا۔ ڈرامے کا سفر بہت ہی لمبا ہے۔ ڈرامہ گلی کوچوں، چوپالوں، دیہاتوں اور قصبوں سے ہوتا ہوا سٹیج کی خوبصورت اور رنگین روشنیوں میں نہاتا رہا اور اپنے وجود کو خوب سے خوب تر بناتا گیا۔ ڈرامہ سٹیج کی رنگینیوں میں رنگنے کے بعد ریڈیو کے ذریعے ہوا کے دوش پر سوار ہو کر گھروں میں داخل ہوا اور گھر گھر کا فرد بن گیا۔ ریڈیو نے ڈرامے کی کایا ہی پلٹ ڈالی۔ ریڈیو پر ایسے موضوعات کے dramatise ہو گئے جن کو سٹیج پر پیش کرنا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے، ریڈیائی انقلاب کے بعد ڈرامے کی تاریخ میں ایک اور باب کُھل گیا میری مُراد ٹیلی ویژن ہے ہے، ڈرامہ پہلے ہی ریڈیو کے ذریعے لوگوں کے خوابگاہوں میں داخل ہو چکا تھا۔ لیکن اب ٹیلی ویژن کے ذریعے آواز اور تصویر (Audio-visual) کی مدد سے گھروں میں ایک نئے انداز کے ساتھ داخل ہو۔ لیکن اگر ہم ریڈیو ڈرامے کی بات کریں تو شاید یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ ریڈیو ڈرامے کے آگے سٹیج اور ٹیلی ویژن ڈرامے دونوں پھیکے پڑ جاتے ہیں، کیوں کہ ٹیلی ویژن اور سٹیج ڈراموں میں Audience / viewers کو جو دِکھایا جاتا ہے ناظرین وہی دیکھتے ہیں یعنی ایک ہدایت کار کے ذہن کی پرواز جہاں تک پہنچ جاتی ہے وہیں تک ناظرین

یا audience کا ذہن بھی پہنچ جاتا ہے۔لیکن ریڈیو ڈرامے کی اڑان کافی اونچی ہے یہ کہنا مناسب ہوگا کہ جس آسمان پر ریڈیو ڈرامہ اڑان بھرتا ہے اِس کی حد نہیں ہے۔ ٹیلی ویژن ڈرامے میں جو مخصوص منظر کیمرے کی مدد سے فلمائے جاتے ہیں وہیں منظر ٹی وی سکرین پر نمودار ہوتے ہیں، یعنی یہاں ایک viewer کے دماغ کا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا۔ جبکہ ریڈیو ڈرامے میں سین آوازوں یا مکالموں کے ذریعے بیان کئے جاتے ہیں یہاں ایک سامع کے دماغ کا براہِ راست عمل دخل ہوتا ہے اِس کے ذہن کے پردے پر imaginary سین بننا شروع ہو جاتے ہیں، اب سین کی دلکشی اور خوبصورتی ایک سامع کی imagination پر منحصر ہے جس سامع کی جتنی powerfull imagination ہوگی اتنا ہی خوبصورت، دلکش Meaningfull اور طاقتور سین اس کے ذہن کے پردے پر اُبھرے گا کیوں کہ ریڈیو "سماعت" کرنے کا medium ہے، ایک ریڈیو ڈرامہ نگار اپنے سامعین کے تصور کو کافی طاقتور اور زرخیز بنانے میں مدد کر سکتا ہے۔ شرط یہ ہے کہ وہ ریڈیو سکرپٹ رائیٹنگ (ڈرامہ) کے فن سے واقف ہو۔

مجھے یہ لکھتے ہوئے خوشی ہو رہی ہے کہ میں ریڈیو کشمیر کے لئے ڈرامے لکھتا ہوں اور مجھے فخر حاصل ہے کہ میں اُس ادارے کے لئے اب تک تیس (30) سے زائد ڈرامے لکھ چکا ہوں جس کو کبھی ڈراموں کا سرتاج کہا جاتا تھا۔ اور آج بھی اپنی روایت کو برقرار رکھنے کے لئے تگ و دو کر رہا ہے۔ پران کشور اور مرحوم علی محمد لون کی جوڑی نے ریڈیو ڈرامہ کی دُنیا میں انقلاب لایا ہے۔ شاید ہی ملک کے کسی ریڈیو اسٹیشن سے ایسے معیاری ڈرامے نشر ہوئے ہوں۔ جیسے کہ ریڈیو کشمیر، سرینگر سے پیش کئے گئے ہوں۔ اس موقعہ پر اگر میں محترم نثار نسیم کے مطلق چند لفظ نہیں کہوں گا تو شاید ناسپاسی ہوگی۔ کیوں کہ نثار نسیم نے ابتداء میں میری زبردست حوصلہ

افزارئی کی انہوں نے میرا ڈرامہ " گاش چھُ ینہ وول " (کشمیری) اُس وقت پیش کیا جبکہ میری ڈرامہ کے شعبے میں کوئی پہچان نہیں تھی ۔ یہ ڈرامہ مقبول رہا جس کی وجہ سے میری حوصلہ افزائی ہوئی اس کے بعد نثار صاحب نے میرے یکے بعد دیگرے کئی اُردو ڈرامے بھی ریڈیو کے لئے produce کئے جن کی مقبولیت نے مجھے ریڈیائی ڈراموں کی دنیا میں ایک مقام بخشا۔ یہاں پر میں محترم نثار بڈگامی صاحب کو بھی ذکر کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں جنہوں نے دُور درشن کے لئے مجھ سے کئی ڈرامے (پلے) لکھوائے جن کی وجہ سے میری بحیثیت ایک سیریئل ڈرامہ نگار کی راہیں کُھل گئیں ۔ میں اپنے دوست ڈاکٹر فرید پربتی کا بھی ممنون ہوں کیوں کہ اُنہوں نے میری اتنی حوصلہ افزائی کی کہ میں نے اس کتاب کو منظر عام پر لانے کا ارادہ کیا اور جن کی کتاب "داغ بحیثیتِ مثنوی نگار" سے میں نے استفادہ کیا۔

اِسی طرح میں ڈاکٹر محی الدین زورؔ کا بھی شکر گذار ہوں کہ اُنہوں نے اِس کتاب کا مقدمہ لکھا۔ میں اپنے ایک دوست جناب ارشد صالح اور ڈاکٹر روٗف حسین کا بھی ممنون ہوں جنہوں نے مجھے اِس کتاب کو منظر عام پر لانے کے لئے اُکسایا۔

علاوہ ازیں میزان پبلشرز کے شبیر احمد کا مشکور ہوں جن کے دستِ تعاون سے یہ کتاب آپ کے ہاتھوں تک پہنچ گئی۔

اشرف عادلؔ

سرینگر

27جون 2011ء

''مقدمہ''

وادی کشمیر کے ایک نوجوان قلم کار اشرف عادلؔ نہ صرف اُردو کشمیری دو زبانوں میں ڈرامے لکھتے ہیں، بلکہ وہ ادب کے مختلف اصناف پر بھی طبع آزمائی کرتے رہے ہیں۔ اُردو شاعری میں وہ ملکی سطح پر اپنی اہمیت کا لوہا منوا چکے ہیں اور وہ اچھے خاصے ڈرامے بھی لکھتے رہتے ہیں۔ سینما، ریڈیو، ٹی وی، کیبل نٹ ورک، ڈی وی ڈی و دیگر برقی ایجادات کی وجہ سے صنفِ ڈرامانے اب اپنے امکانات خوب سے خوب تر روشن کیے ہیں۔ اس وجہ سے ڈراما اسٹیج یا کتاب تک ہی محدود نہیں رہا۔ اشرف عادلؔ نے ریڈیو ڈرامے سے براہ راست اپنا ناطہ جوڑا ہے۔ ایک زمانے میں ڈراما، صرف اُس چیز کو کہا جاتا تھا۔ جسکو اسٹیج پر باضابطہ طور پر کھیلا جاسکے۔ پھر ایسے بھی ڈرامے لکھے گئے، جنہیں صرف پڑھنے کے لئے ہی لکھا گیا۔ اُنہیں ادبی ڈراما یا closet Drama کہا گیا۔

اسکے بعد ریڈیو اور ٹی وی کیلئے بھی ڈرامے لکھے گئے۔ اسٹیج سے ہٹ کر نکڈ کھیل بھی آگیا۔ ڈرامے کی ایک اہم قسم جس سے ہمیں یہاں سروکار ہے، اسکو ریڈیو ڈراما کہا جاتا ہے۔ اسکے بارے میں ڈاکٹر اخلاق آثر لکھتے ہیں۔

"اسٹیج کی طرح ریڈیو بھی ایک میڈیم ہے۔ اسٹیج جنت نگاہ اور فردوس گوش ہے۔ ریڈیو نظر کی جلوہ سامانیوں سے محروم اور سماعت تک محدود ہے۔ ریڈیو ڈرامے اور اسٹیج ڈرامے کے بُنیادی تصورات یکساں ہیں۔ مگر میڈیم کے فرق سے اسٹیج ڈراما بصری فن اور ریڈیو ڈراما سماعتی فن کی پابندی کرتے ہیں۔ فنون کی تبدیلی سے دونوں ڈراموں کی تکنیک اور تعمیر میں

اختلافات پیدا ہوئے"۔ ریڈیو ڈرامے کی اصناف۔۱۸۔۱۷)۔

یہ بات ایک مغربی ڈراما نگار Rander Mathews نے بھی کہی ہے کہ اسٹیج، فلم، ٹی وی اور ریڈیو ڈرامے کے بنیادی اصول ایک ہی جیسے ہوتے ہیں۔ مگر "These rules are modified in their specific application by the particular mediums special requirement"

اب اگر ہمیں ڈراما اسٹیج کیلیئے ہی لکھنا ہوگا۔ تب بھی ہم اسٹیج اور تھیٹر میں دستیاب سامان کے پیشِ نظر ایک ڈرامے میں ترمیم و اضافہ کر سکتے ہیں اور یہی حال ریڈیو یا ٹی وی ڈراما کا بھی ہے۔ چونکہ ہمیں یہاں صرف ریڈیو ڈراما مذکور ہے۔ اس بات کے پیشِ نظر یہاں کہا جا سکتا ہے کہ زبیر شاداب (ریڈیو نشریات ص109) لارنس آر کمپبل کے حوالے سے i زبان (مکالمہ) ii صوتی اثرات iii اور موسیقی کو ریڈیائی ڈرامے کے تین اہم ستون قرار دیتے ہیں اور عام طور پر ایک ریڈیو ڈراما لکھتے وقت ہمیں ان تینوں باتوں کو مدِ نظر رکھنا ہوگا۔

مذید برآں ریڈیو ڈراما کو ایک محدود وقت میں تکمیل ہونا ہوتا ہے۔ اسلیئے اس کے موضوع کے انتخاب پلاٹ کی ترتیب، تصادم کی تیز رفتاری اور کہانی کے نقطۂ عروج اور انجام کا ہمیں خاص خیال رکھنا ہوتا ہے۔ یہ چیزیں ریڈیو ڈراما اور یکبابی ڈرامے میں قدرے مشترک ہوتی ہیں۔

ریڈیو ڈراما میں "مکالمے" کی فن کاری پر بھی سخت زور دیا جاتا ہے، کیونکہ تکلمی زبان یا عام زبان اور تحریری یا ادبی زبان میں بین فرق ہوتا ہے، مگر ریڈیو ڈراما کی زبان تکلمی زبان اور ادبی زبان سے بھی ایک الگ چیز ہے۔ یہ کچھ ایسی زبان ہوتی ہے جو صرف سُنی جاتی ہے اور سُننے کے بعد دل و دماغ میں اس زبان کے توسط سے بات اُتروائی جاتی ہے۔ اسٹیج یا ٹی وی

ڈرامے میں ایک اداکار" اپنی بات اپنے حرکات وسکنات یا اپنی ایکٹنگ (Acting) سے بھی ناظرین تک پہنچاتا ہے۔ اسکے برعکس یہاں سانسوں کے زیروبم سے بھی مکالموں کا معنٰی بیان کیا جاتا ہے۔

ریڈیو ڈراما میں صوتی اثرات اور موسیقی کو بھی بڑی اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ یہ چیز دراصل ریڈیو ڈراما نگار کو اپنے ڈرامے کے معنٰی مفہوم یا ڈراما کو اور زیادہ جاذب بنانے کے لئے ممدو معاون ثابت ہو جاتا ہے۔ کیونکہ ایک تو اسکے پاس وقت کم ہوتا ہے۔ دوسرا وہ ہر کسی منظر کو سیٹ یا سینری کے ذریعے نہیں دکھا سکتا ہے۔ نہ غیر ضروری طور پر وہ اپنے مکالموں کو کھینچ سکتا ہے۔ نہ ہدایت دے سکتا ہے۔ اسلئے وہ یہاں صوت اور موسیقی کا برمحل استعمال کر کے پورا منظر یا سماں پیدا کر سکتا ہے۔

اُردو ڈرامے کا آغاز اگر چہ لکھنئو (واجد علی شاہ 1843ء) سے ہوا اور یہ سفر بنگال سے پارسی تھیٹریکل کمپنیوں تک جا پہنچا اور پھر آغا حشر کاشمیری سید امتیاز علی تاؔج سے لیکر حبیب تنویر تک ہم نے بہت سے اعلیٰ پایہ ڈراما نگار پیدا کئے ہیں، مگر اُردو میں ریڈیو ڈرامے کی تاریخ میں حکیم احمد شجاع، کرشن چندر، بیدی، منٹو، عصمت چغتائی، اشک، شوکت تھانوی، انصار ناصری، مرزا ادیب، ریوتی سرن شرما، دگل، محمد حسن، شمیم حنفی، جاوید اقبال، رشید انجم وغیرہ کے نام بہت اہم مانے جاتے ہیں۔

ڈرامے کی تاریخ اگر چہ ہم قدیم یونان اور قدیم بھارت (سنسکرت) سے جوڑتے ہیں، مگر پھر بھی ریاستِ جموں وکشمیر کے تینوں خطوں میں مقامی ڈرامے کی الگ الگ روایتیں ہمیں تواریخ کے ابتدائی اوراق میں ہی نظر آجاتی ہیں۔ مثلاً خطہ جموں میں رام لیلا وغیرہ خطہ لداخ میں گھمپا یا دیگر مذہبی ناچ اور خطہ کشمیر میں بانڈھ پاتھر کی قدیم روایت آج بھی زندہ

جاوید ہے۔ اُردو زبان اس ریاست میں ایک تحقیق طلب مسئلہ ہے۔ عام طور پر یہی سمجھا جاتا ہے کہ یہ زبان یہاں ڈوگرہ دور (1846-1947) میں ہی پھیلی اور پھولی۔ اس دور میں یہاں پارسی تھیٹریکل کمپنیوں کا آنا بھی شروع ہوا، جس سے یہاں مقامی تھیٹر کے ساتھ ساتھ اُردو زبان کے ڈرامے بھی سامنے آنے لگے۔ اِسی طرح اُردو میں ڈرامے کی تحقیق وتنقید پر سب سے پہلی کتاب ناٹک ساگر 1924 لکھنے کا فخر بھی ریاست کے دو قدآور اشخاص یعنی محمد عمر نور الٰہی کو ہی حاصل ہوا۔ اب صورتِ حال یہ ہے کہ اس ریاست میں اُردو ڈرامے کی ایک الگ تاریخ لکھی جاسکتی ہے، جس میں محمد عمر نور الٰہی، پریم ناتھ پردیسی، دیناناتھ واریکو، جگدیش کنول، آزر عسکری، عزیز کاش، ویدراہی، وجے سوہن، دیانند کپور، رام کمار ابرول، بنسی نردوش، گوپی ناتھ کوشک، منوہری رائے زادہ محمود ہاشمی، سوم ناتھ زُتشی، مدن موہن، قیصر قلندر، اوتار کرشن رہبر، ہری کرشن کول، ہردے کول بھارتی، فاروق مسعودی، علی محمد لون، اختر محی الدین، پُشکر ناتھ، شبنم قیوم، سجود سیلانی، ٹھاکر پونچھی، سُکھ دیو سنگھ، پران کشور، جتندر شرما، شوکت شہری، ریاض معصوم قریشی، غلام نبی شاہد، نور شاہ، آفاق احمد، مشتاق مہدی، آنند لہر، وریندر پٹواری، اشرف عادل اور ڈاکٹر محمد مجید وغیرہ وغیرہ جیسے نام سُرخیوں میں لکھے جاسکتے ہیں۔

متذکرہ بالا ڈراما نگاروں نے اسٹیج، ریڈیو، ٹی وی اور کتابی صورت میں بھی ڈرامے لکھے ہیں لیکن بدقسمتی سے بیشتر ڈراما نگاروں (جنکا تعلق خاصکر ریڈیو، ٹی وی سے رہا) کے ڈرامے نشریا ٹیلی کاسٹ ہوکر ہوا میں اُڑ کر چلے گئے اور تحقیق وتنقید کرنے کے لئے ہمارے پاس بہت کم مواد دستیاب ہے۔

خیر اشرف عادل اپنا ریڈیائی ڈراما "تمثیل داغ" اب چھاپنا چاہتے ہیں اس لئے

پیشگی میں ہی ہم یہاں اُن کے بارے میں چند باتیں رقم کرنا چاہتے ہیں۔ تاکہ اس ڈرامے کی کچھ اہمیت وافادیت واضح ہوجائے گی۔

وادی کشمیر کے ایک اُبھرتے ہوئے قلم کار اشرف عادلؔ کا تعلق ریاست جموں و کشمیر کے ادیبوں کی اس پود سے ہے جنہوں نے اکیسویں صدی کے آغاز میں ہی اپنی تخلیقات کو منصۂ شہود پر لایا ہے۔ وہ سرینگر کے ایک تاریخی علاقے خانیار میں 1966ء میں ایک متوسط گھرانے میں پیدا ہوئے۔ اُن کا اصل نام شیخ محمد اشرف ہے اور اُنکے والد کا نام شیخ عبدالاحد ہیں، لیکن شیخ محمد اشرف عام طور پر اشرف عادلؔ کے نام سے ہی جانے جاتے ہیں۔ اشرف عادلؔ نے اپنی ابتدائی تعلیم کا آغاز مقامی اسکولوں سے کیا اور بعد میں وہ کشمیر کے ایک مشہور تاریخی دانش گاہ اِسلامیہ کالج سرینگر میں بی، کام (B. Com) کے لئے داخل ہوگئے۔ جہاں اُنہیں کامرس پڑھنے کے ساتھ ساتھ اچھی ادبی صحبت بھی ملی۔ پروفیسر الطاف احمد، پروفیسر عبدالرحمٰن بیگ، پروفیسر محمد شفیع، پروفیسر مخمور بدخشی، پروفیسر مرزا منظور، پروفیسر منظور احمد شاہ جیسے اساتذہ نے اُنکے اندر دبی ہوئی ادبی چنگاری کو جلا بخشی۔ اُنکے اندر چُھپے ہوئے فنکار کو اُنہوں نے باہر نکالا، اسطرح وہ ادب کی طرف راغب ہوکر شاعری بھی کرنے لگے۔ یہ 1986-87ء کا دور تھا۔ البتہ اشرف عادلؔ کا کلام 1993ء سے باضابطہ طور پر ریاست اور بیرون ریاست کے معتبر رسائل و جرائد میں منظرِ عام پر آنے لگا۔ جن میں زریں شعاعیں کسوٹی، ابر، فنون، ترکش، اسباق، شاخیں، خوشبو کا سفر محفلِ صنم استعارہ، شاعر، پیام اُردو وغیرہ خاص شامل ہیں۔ لیکن اشرف عادلؔ کی ایک غزل سب سے پہلے شاعر ممبئی نے چھاپی (1993) اور اُنہوں نے اپنی گلوبل Directory میں بھی ان کا نام شامل کرکے اُنہیں بڑے بڑے شاعروں کی صف میں کھڑا کیا۔ کشمیر یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کرلینے کے بعد وہ

وہیں شعبۂ انتظامیہ سے وابستہ ہو گئے۔اور یہ فرائض بھی بحسن خوبی نبھار ہے ہیں۔

اشرف عادلؔ کی ادبی زندگی میں اُس وقت نکتہ تغیر پیدا ہوا جب میں اُنکی پہلی ملاقات اُردو دنیا کے ایک معتبر نقاد، محقق اور نامور شاعر ڈاکٹر فرید پربتی سے ہوئی۔ جنہوں نے اُنکی ادبی تفکرات کو ایک نئی سمت عطا کی، عادلؔ خود اس بات کا اعتراف کر کے کہتے ہیں کہ "اُنکے مُفید مشوروں سے میری شاعری صحیح سمت کی طرف گامزن ہوئی"۔ تو اسطرح عادلؔ کا ادبی سفر اسقدر پروان چڑھ گیا کہ 2002ء میں انکا پہلا شعری مجموعہ "لذتِ گریہ" کے نام سے منصۂ شہود پر آ گیا۔ اس مجموعے کی مقبولیت اور شعری خوبیوں کے پیشِ نظر ایک مقامی اخبار نے اس سارے مجموعے کو کئی مہینوں تک متواتر شائع کیا۔ ادب سے منسلک ریاست کے مختلف اداروں جیسے ریڈیو کشمیر، دُوردرشن کیندر سرینگر، کلچرل اکادمی، انفارمیشن ڈیپارٹمنٹ، اور مختلف نجی اداروں نے اُنہیں اپنے مشاعروں میں شرکت کیلئے بلانا شروع کیا۔ تو اسطرح اب وہ پوری طرح سے ادب سے منہمک ہو گئے۔ اور اس فن میں اور زیادہ مہارت حاصل کر لینے کے لئے اُنہوں ے سراج ولی، میرؔ، ساغر صدیقی، ذوقؔ، سوداؔ، مومنؔ، آتشؔ، فراقؔ، داغؔ، غالبؔ، اقبال، فیض، ناصر کاظمی، شہریار جیسے اُردو کلاسیکی شُعرا کا خاص مطالعہ بھی کیا۔

آج اشرف عادلؔ کا کلام مختلف رسالوں، اخبارات یا اُنکی ڈائری میں اسقدر بکھرا پڑا ہے کہ اگر اس کو صحیح ترتیب دے دی جائے تو دو تین شعری مجموعے منظر عام پر آ سکتے ہیں۔ شاعری کے ساتھ ساتھ اشرف عادلؔ ڈراما نگاری سے بھی گہرا تعلق رکھتے ہیں۔ اب تک اُنہوں نے زیادہ تر ریڈیو اور ٹی وی کیلئے ہی ڈرامے لکھے ہیں۔ کیونکہ وادی کشمیر میں اُردو اسٹیج کی عدم موجودگی نے اُنہیں اسٹیج ڈرامے لکھنے کیلئے کچھ زیادہ نہیں اُکسایا ہے۔ اُنکے تین درجن کے قریب (اُردو، کشمیری) ڈرامے ریڈیو کشمیر سے نشر ہو چکے ہیں۔ ان کا پہلا ڈراما 1992ء

میں کشمیری زبان میں " وقت کا فرشتہ " کے عنوان سے نشر ہوا اور اب تک مختلف موضوعات پر اُنہوں نے ڈھیر سارے ڈرامے رقم کئے ہیں مگر اُنکے ڈراموں کے حوالے سے خاص بات یہ کہی جا سکتی ہے کہ اُنہوں نے کشمیر کے روایتی ڈرامے سے انحراف کر کے عالمی مسائل کے بارے میں مختلف موضوعات پر ڈرامے سپرد قلم کئے ہیں۔ جن میں عالمی امن، بھوک، عالمی جنگ، ایڈس، euthanasia وغیرہ کے ساتھ ساتھ وہ تاریخی موضوعات کو بھی چھیڑتے ہیں۔ مثلاً ایک طرف اُنہوں نے اُردو میں حضرت محل (یعنی اودھ کے بادشاہ واجد علی شاہ کی بیگم) جیسا ڈراما لکھا تو دوسری طرف اُنہوں " حُکمِ حاکم" شخصی راج (ڈوگرہ راج 1846-1947) کے ظلم پر بھی ڈراما لکھا۔ ان موضوعات کے علاوہ اُنہوں نے فلموں اور نیشنل چنلوں سے متاثر ہو کر کشمیری میں جاسوسی Detective ٹائپ کے بھی ڈرامے لکھے۔ ایسے موضوعات اور تکنیک کے ڈرامے لکھنے کی ترغیب اُنہیں ریڈیو پرڈیوسر نثار نسیم نے دی ہے۔ اِسطرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ کشمیری ڈراما جو روایتی بھانڈ پاتھر، گھریلو مسائل اور طنز و مزاح سے کچھ زیادہ آگے نہیں بڑھ سکا، لیکن اشرف عادل جیسے نوجواں قلم کار اسکو نئے موضوعات دینے میں پیش پیش ہیں۔

اشرف عادل کی ڈرامانگاری بھی انکی ذاتی کاوشوں کا نتیجہ ہے۔ اُنکے مطابق وہ بچپن سے ہی ریڈیو کشمیر سے نشر ہونے والے ڈرامے سنتے تھے اور اُنہیں علی محمد لون، اوتار کرشن رہبر، نور شاہ، آفاق احمد، ہری کرشن کول، سجود سیلانی، شمس الدین شمیم، پشکر بھان، بنسی نردوش، ہردے کول بھارتی، سوم ناتھ سادھو، نے کافی متاثر کیا ہے۔ اور اُنہوں نے تب ڈرامے لکھنا شروع کیا۔

اسی طرح ریڈیو کے ساتھ ساتھ وہ ٹی وی یا اسکرین کیلئے بھی ڈرامے لکھتے ہیں۔

اُنہوں نے ٹی وی کیلئے بیس سے زائد ڈرامے اور سیریئل بھی لکھے ہیں۔ جن میں سفید خون، مسیحا، سودا، اعتبار، انصاف (کشمیری) کے ساتھ ساتھ ان کا سنسنی خیز ڈراما "سایا" (اُردو) کے عنوان سے زیادہ مقبول ہوا۔ تجربہ، اور جنگ چھڑ گئی، خواب کا در کُھلا ہے، 72 گھنٹے، حملہ آور، نیا انداز نئے مجرم، قاتل لمحے وغیرہ جیسے ڈرامے بھی ہم نے عادلؔ کے تحریر کردہ ریڈیو کشمیر سے سُنے ہیں۔

اشرف عادلؔ اپنے ڈراموں میں آج کل کے مسائل کو برتنے کی کوشش کرتے ہیں اور بڑی لگن، جوش اور جذبے سے اس صنف کو اپنے خون سے سینچتے ہیں۔ یہاں تک کہ انہوں نے سچے واقعات پر مبنی کئی ڈرامے لکھے ہیں۔ جو باضابطہ طور پر ریڈیو سے نشر بھی ہوئے۔ ہمیں اُمید ہے کہ مستقبل قریب میں ہم اُنکے ڈراموں کا ایک مجموعہ " ہوا کے دوش پر " کے عنوان سے منصۂ شہود پر آ کر ضرور دیکھیں گے۔

صنف ڈرامے کے امکانات جسقدر روشن ہیں، ٹھیک اسی قدر اس میں فنی و تکنیکی پابندیاں بھی اب کچھ زیادہ نہیں رہیں کیونکہ آئے دن سائنسی ایجادات سے کتنی سہولیات ہمیں میسّر ہوتی جاتی ہے۔ اور اس سائنسی ایجادات کا استعمال ہم ڈرامے میں ٹھیک طرح سے کر سکتے ہیں۔ چاہے وہ اسٹیج ڈراما ہو یا ریڈیو، ٹی وی ڈراما ہو ہم یہاں سیٹ، سینری، آواز وغیرہ میں تبدیلی لا سکتے ہیں۔ اس طرح اب ڈرامے میں موضوع کی بھی کوئی قید نہیں رہی۔ حالانکہ شیکسپیئر مالو، حشؔر اور تاجؔ نے بڑے بڑے تاریخی موضوعات پر ڈرامے لکھے۔ البتہ ہمیں زیادہ تر سماجی موضوعات پر ہی ڈرامے دیکھنے کو ملتے ہیں۔ اُردو ڈرامے کا ایک موضوع یہ بھی رہا کہ یہاں کچھ بڑے بڑے لوگوں نے اُردو کے ادیبوں/شاعروں پر ڈرامے لکھے۔ مثلاً حبیب تنویر نے آگرہ بازار (نظیر کے دور پر) پروفیسر محمد حسن نے میر غالب پر، جگن ناتھ آزاد، آل احمد

سرور نے اقبال پر اور سید محمد مہدی نے " منی بائی حجاب "یعنی داغ اور منی بائی حجاب کی داستانِ عشق اپنے ڈرامے میں بیان کی۔

چونکہ اُردو ادب میں داغؔ اور منی بائی حجاب کے عشق کی داستان فریادِ داغ (داغ کی مثنوی) کی وجہ سے ہمیشہ زندہ جاوید ہے۔ اس لئے اس نے محققوں کے ساتھ ساتھ ڈراما نگاروں کو بھی اپنے اپنے انداز سے اس پر سوچنے یا قلم اُٹھانے کیلئے مجبور کر دیا ہے۔

ڈاکٹر فرید پربتیؔ اس مثنوی کی اہمیت اور اسکا مقام اسطرح متعین کرتے ہیں۔

"------یہ مثنوی میر حسن، میر تقی، شوق لکھنوی یا نسیم کی مثنویوں سے کسی طرح کم پایہ مثنوی نہیں ہے۔ البتہ ان مثنوی نگاروں اور داغؔ کی مثنوی میں ایک بڑا اور واضح فرق یہ ہے کہ داغؔ کی مثنوی چونکہ ذاتی واردات پر مشتمل ہے اس وجہ سے اس میں سلاستِ بیان، بے ساختہ پن اور بھرپور داخلیت ہے اور خارجی عناصر کا دخول کم سے کم ہے۔ اس کے باوجود مثنوی ایک بیانیہ صنف سخن ہے داغ بحیثیت مثنوی نگار۔ ڈاکٹر فرید پربتی میں 16"

چونکہ اشرف عادلؔ کو داغؔ کی شاعری اور فرید پربتی کی کتاب نے متاثر کیا ہے۔ اسلئے اب یہاں پہلے راقم بھی داغ کی شخصیت کے بارے میں کچھ روشنی ڈالے گا تا کہ قارئین کو یہ ڈراما سمجھنے میں قدرے آسانی ہوگی۔

داغؔ کے بارے میں پروفیسر وہاب اشرفی نے کیا خوب بات کہی ہے کہ " ----داغؔ ایک یکتائے روزگار شاعر ہیں، جن کی زندگی بھی نشیب و فراز سے گذرتی ہوئی ایک تمکنت کا احساس دِلاتی ہے اور شاعری میں جو حُسنِ بیان کا غلبہ ہے وہ اُنہیں پر شاید ختم ہوتا ہے----" تاریخ ادبِ اُردو جلد اوّل صفحہ ۳۶۱

نواب مرزا خاں داغؔ دہلوی (1831-1905) ایک نواب زادے تھے، لیکن

بچپن میں ہی جب انگریزوں نے جنگ آزادی ہند کے دوران اُنکے والد کو بڑی بے دردی سے شہید کرڈالا، تو اُنکی والدہ چھوٹی بیگم نے حالات کا رُخ دیکھ کر مغل شہزادے یعنی بہادر شاہ کے بیٹے مرزا فخرو سے عقدہ ثانی کرلیا، جسکی وجہ سے داغؔ کی پرورش بڑے شاہانہ طور طریقوں سے قلعے میں ہوئی اور اُنہیں وہاں ذوقؔ جیسا اُستاد ملا۔

لیکن 1857ء کے غدر کی وجہ سے اُنہوں نے دلی کو چھوڑ کر دربار رامپور سے وابستگی اختیار کرلی۔ جہاں اُنہیں نواب رضا محمد خان نواب یوسف علی خان ناظم، نواب کلب علی خاں جیسے سرپرست ملے اور وہاں داغؔ کے ساتھ ساتھ اسیر، بحر، عروج، تسلیم، زکی، منیر، جلال، امیر حیا جیسے شاعروں نے ادبی مرکز رامپور قائم کرلیا۔

یہاں یہ بات بھی واضح رہے کہ رامپور میں یا نواب کلب علی خاں کے دربار میں داغؔ کو اس وجہ سے باقی لوگوں پر سبقت حاصل ہوئی تھی کیونکہ اس دربار میں اکثر شعرا لکھنوی انداز کے تھے۔ البتہ داغؔ کی زبان دہلوی تھی اور زبان کے معاملے میں ان کا مقابلہ وہاں کوئی نہیں کرسکتا تھا۔

42 برس خوشحالی سے زندگی گذارنے کے بعد 1887ء میں نواب کے انتقال کے بعد داغؔ اگلے ہی سال حیدر آباد چلے گئے مگر نظام دکن محبوب علی خاں نے پہلے کوئی گرم جوشی نہیں دِکھائی تب وہ واپس دِلی لوٹے یہاں سیاسی اتھل پتھل کی وجہ سے دوبارہ دکن کا رُخ کرکے وہاں اپنا لوہا منوا ہی لے لیا۔ جہاں سے ایک موٹی تنخواہ کے ساتھ ساتھ بہت سارے انعامات اور اُستاد شاہ فصیح الملک، جگت اُستاد جیسے خطابات بھی حاصل کرلئے۔ شہرت کا عالم یہ ہوا کہ ملک کے گوشئے گوشئے سے داغؔ کو نئے نئے شُعرا اپنا کلام اصلاح کیلئے بھیجتے تھے، تو اِسطرح علامہ اقبال، بیخود دہلوی، احسن مارہروی، مائل دہلوی جیسے لوگ ان سے فیض اُٹھا کر

اُردو شاعری کے اُفق پر چمکے۔

داغ نے گلزار داغ، آفتاب داغ، مہتاب داغ، یادگار داغ اور ضمیمہ یادگارِ داغ جیسے شعری مجموعے یادگار چھوڑ دیے ہیں۔ ان کا کچھ کلام غدر (1857ء) میں تلف بھی ہوا ہے اور کچھ کلام نظام کے کتب خانے سے اُنکے انتقال کے بعد دستیاب ہوا ہے۔

اُردو شاعری میں داغ کو اپنا ایک رُتبہ حاصل ہے۔ مثلاً زبان کے معاملے میں وہ یکتا ہیں۔ محاورہ بندی میں بھی ان کا مقابلہ کرنا بہت مشکل ہے۔ حُسن کا وہ بے باکانہ اور شوخی انداز میں بیان کرتے ہیں۔

داغ کی شخصیت میں لچک یہ بھی ہے کہ اُنہوں نے اتنی ٹھیٹھ ٹھاٹھ کے باوجود بھی ایک طوائف سے عشق کیا اور اسکے عشق کی داستان جسقدر دلچسپ ہے۔ ٹھیک اُسی قدر سوالیہ نشان بھی اسکی شخصیت میں کھڑا کر سکتی ہے۔ چونکہ عشق ایک انتہائی کمزوری، انسانی فطرت اور ایک انسانی نفسیاتی خواہش یا بیماری کا نام ہے۔ اور داغ دہلوی بھی اپنی عمر کے آخری حصّے میں اس مرض کے شکار ہو گئے۔ ہوا یوں کہ 1898ء میں داغ کی بیوی فاطمہ بیگم کا انتقال ہوا۔

1899ء میں وہ اپنا دل بہلانے کیلئے نظام کے ساتھ کلکتہ میلہ دیکھنے کیلئے آئے۔ جہاں وہ منی بائی حجاب کے دام محبت میں دوبارہ گرفتار ہو گئے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ اس سے پہلے رامپور میں بھی ان سے مل چکے تھے اور دونوں ے دِلوں میں محبت کی آگ لگ چکی تھی۔ خیر انکے پیار کا یہ سلسلہ برسوں تک چلا۔ اس دوران حجاب کا نکاح ایک مولوی صاحب سے بھی ہوا، لیکن ان دونوں کی نہیں بن پائی، تو وہ داغ کے پاس چلی آئی۔ مگر داغ نے انہیں کئی وجوہات کی بنا پر اپنی زوجیت میں نہیں رکھا۔ البتہ ان کی کفالت وہ برداشت کرتے رہے۔ کلکتہ واپس آنے جانے کے بعد بھی داغ انہیں اپنا خرچہ بھیجتے رہے۔ اسی بوڑھاپے کی عشق کی وجہ

سے داغ کے جگر کو واقعی عشق کے داغ لگ گئے۔

خیر یہ تو تھی نواب مرزا خاں داغ دہلوی کی کچھ داستان حیات جس میں بہت سارے نشیب و فراز ہمیں ملتے ہیں۔ اور اس میں سب سے اہم کشمکش اس وقت پیدا ہو جاتی ہے، جب وہ اپنی عمر کے آخری دور میں ایک درنا سفتہ پر فریفتہ ہو جاتے ہیں۔ غرض کہنے کا یہ ہے کہ اشرف عادل نے اپنے ریڈیائی ڈرامے " تمثیل داغ " کا موضوع اُسی کشمکش کو بنایا ہے۔ جسکا میں نے اُوپر بیان کیا ہے۔

زیرِ نظر ڈراما تمثیل داغ اشرف عادل کا لکھا ہوا تین ایکٹوں یا قسطوں پر مشتمل ایک ریڈیائی ڈراما ہے، جسکو مصنف نے بڑے فنکارانہ انداز میں پیش کیا ہے۔ یہ ڈراما بیشتر داغ کے ہی کردار کے اِرد گرد گھومتا ہے اور اسمیں ان کے علاوہ اور بھی بہت سارے کردار آتے رہتے ہیں۔ ہر ایکٹ یا قسط میں ہمیں چند نئے نئے کرداروں سے متعارف ہونا پڑتا ہے۔ البتہ مصنف نے اس ڈرامے میں راوی کے عمل دخل سے ایکشن کی رفتار کو تیز کر کے ایک تو داغ کی زندگی کے اور بھی مختلف گوشوں کو اُجاگر کیا ہے اور اس سے اُنہوں نے بہت سارے واقعات اور بیانات کو بھی بڑے احسن طریقے پیش کیا ہے۔ جس سے ہم اس ڈرامے میں نہ صرف داغ کی زندگی اور اُنکی شخصیت خاصکر عشقیہ داستان سے پوری طرح متعارف ہو جاتے ہیں، بلکہ اس تکنیک سے ہمیں اس دور کی تہذیبی، تمدنی، سیاسی اور معاشرتی تصویر کی مختلف جھلکیاں دیکھنے کو ملتی ہیں۔

اس ڈرامے کے آغاز میں نواب شمس الدین خاں کے ہاں پہلے داغ جنم لیتا ہے اور وہاں نوابانہ رسومات ادا کئے جاتے ہیں، تو دوسرے منظر میں ولیم فریزر کے آتے ہی زبردست کشمکش شروع ہو کر اسکے قتل اور نواب کی پھانسی کے ساتھ ہی راوی (5) میں ہمیں داغ کے یتیم

ہونے اور انکی ماں کی دوسری شادی کرنے اور پھر یکدم چھلانگ مار کر داغ اپنی شاعری اور شہرت کے عروج پر نظر آجاتے ہیں۔مگر داغؔ کے زندگی کے کچھ اہم واقعات کو داغؔ اور انکے پرستاروں کے مابین مکالموں سے دہرایا جاتا ہے۔اسکے ساتھ ہی (6) میں داغؔ کا طوائفوں کے ساتھ مجرے میں بیٹھنا اور (7) میں داغؔ ہمیں میلہ بے نظیر میں دِکھائی دیتے ہیں۔یہاں میلے میں ہی داغ کی نظر منی بائی حجاب پر پڑ جاتی ہے۔جو کہ اس ڈرامے میں موصوف ڈراما نگار کا اصل فوکس ہے۔تو داغؔ انکے جلوے سے مدہوش ہوکر کہتے ہیں۔

اک آواز: سُنا ہے شعر بھی کہتی ہے محترمہ حجاب تخلص کرتی ہیں۔

داغ: یہ شعر کہے یا نہ کہیں۔ہمارے اندر سے شاعری کا سمندر اُمڈنے کو بے قرار ہے۔

اس طرح انکے عشق کی داستان (7) سے شروع ہوکر (10) تک یا اس قسط کے اختتام تک اپنی کشمکش کے ساتھ برابر جاری رہتی ہے۔اس دوران حجاب کی بہن نقاب بھی آکر انکی ثالث بن جاتی ہے۔کیونکہ حجاب کا نواب حیدر علی خاں کے یہاں جانا داغ کو ناگوار ہوتا ہے۔اور پھر حجاب کے کلکتہ چلے جانے کے بعد خط وکتابت کے سہارے ہی داغؔ انکی محبت میں جیتے رہتے ہیں۔دوسری قسط میں ایک سال گذر جانے کے بعد داغؔ پھر میلے میں حجاب سے ملتے ہیں۔اسکے بعد کلکتہ جانے کے بعد حجاب نے داغؔ کو وہاں بلایا تو داغؔ رامپور سے کلکتہ کیلئے روانہ ہوئے،لیکن عظیم آباد میں اپنے شائقین کیلئے انہیں پہلے ڈیڑھ مہینہ رُکنا پڑا اور وہاں طرحی مشاعروں میں بھی شریک ہونا پڑتا ہے۔

تو اسی قسط کے منظر (10) میں وہ کلکتہ پہنچ جاتے ہیں جہاں انکی آمد سے شعروشاعری کا بازار گرم ہو جاتا ہے۔اور ساتھ ہی حجاب اور انکی ملاقاتوں کا سلسلہ بھی شروع ہو جاتا ہے۔تو

اسطرح منظر (13) میں داغ کو وہاں اپنی محبوبہ کو چھوڑ کر رُخصت ہو جانا ہی پڑتا ہے۔

چونکہ اس ڈرامے میں مصنف نے عمل کی رفتار بہت ہی تیز دِکھائی ہے اور ریڈیو ڈراما ہونے کے ناطے یہاں وحدتوں کی کوئی ضرورت بھی نہیں تھی اسلیئے اب یہاں دوسری اور تیسری قسط کے بیچ میں بیس سال کا وقفہ گذر جاتا ہے۔ اس دوران حالات کچھ ایسے پیدا ہوئے ہیں کہ داغ اس طویل عرصے میں حجاب سے نہیں مل سکے اور حجاب کی شادی ایک مولوی سے کی جاتی ہے، لیکن دُور دُور رہنے کے باوجود بھی دونوں طرفوں سے عشق کی آگ برابر جاری رہتی ہے، چونکہ داغ اب حیدر آباد میں رہتے ہیں۔ حجاب اپنے شوہر سے خلع لے کہ حیدر آباد آ پہنچی اور یہاں اب داغ اسکے ساتھ بیشتر وقت گذارتے ہیں، لیکن حجاب نکاح کرنے اور الگ مکان دینے کی ضد کرتی ہیں، جس پر داغ راضی نہیں ہو جاتے ہیں۔ بڑھاپے کے باوجود بھی داغ اپنے شگفتہ مزاجی کو نہیں بدلتے ہیں، جسکی وجہ سے حجاب اور داغ دونوں میں کچھ تلخی سی پیدا ہو جاتی ہے۔ چونکہ اس ڈراما میں اب تک زیادہ تر اندرونی کشمکش تھی۔ اب (قسط ۳ سین ٦) لارڈلی بیگم (داغ کی آغوش بیٹی) اور انکے شوہر سائل دہلوی کے آتے ہی خارجی تصادم کی رفتار تیز ہونے لگتی ہے، کیونکہ سائل یہ نہیں چاہتا ہے کہ داغ حجاب سے شادی کرے۔ اور وہ داغ کے جائداد کی مالکن بن جائے گی۔ اس غرض سے وہ اپنی بیوی کو اُکساتا ہے تاکہ وہ لوگ انہیں اس شادی سے روک لیں گے اور اسطرح نواب حسن علی خاں جیسے لوگ انہیں حجاب سے بددل کرتے ہیں۔ تو اسطرح منظر (8) میں جب داغ حجاب سے مل کر کہتے ہیں کہ تمہیں (شادی کیلیئے) اور انتظار کرنا ہوگا تو حجاب کہتی ہے۔

"کیا کیا کیا ------ کیا کہا آپ نے (غصّے میں) -----۔ میں اب اور انتظار نہیں کر سکتی"

یہی اس ڈرامے کا نقطۂ عروج بھی ہے۔

اس کے بعد دونوں اطراف سے عشق کے بدلے میں مسائل کھڑے کیئے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ حجاب اس نتیجے پر پہنچ کر کہتی ہے۔

"اس کا مطلب ہے کہ مرزا داؔغ کا دل اب ہم سے بھر چکا ہے۔ اب ہمیں حیدر آباد چھوڑنا ہی ہوگا۔ اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ میں طوائف ہی سہی، لیکن میرا بھی ایک ضمیر ہے۔ میری بھی کوئی عزّت ہے"۔ تو حجاب کے چلے جانے کے بعد داؔغ کا مزاج پورا بدل جاتا ہے۔ اور گانا سُننا، طوائفوں سے دل لگانا وغیرہ یہ سب کچھ چھوڑ کر وہ صرف اپنے عشق کو سینے سے لگا کر اُداس بیٹھتے ہیں۔ ڈرامے کے اختتام پر راوی انکی موت کے ساتھ ہی اس تمثیلِ داغ کو ختم کر دیتے ہیں۔

چونکہ داؔغ کی ایک ہمہ گیر شخصیت تھی لیکن اشرف عادؔل نے اس ڈرامے میں انکی شخصیت کا جو خاص پہلو چُن لیا ہے وہ انکی عشقیہ زندگی یا حجاب اور انکے عشق کی کہانی ہی ہے۔ اس وجہ سے یہاں ڈرامے میں دو ہی کردار زیادہ تر ہمارے سامنے اُبھر کر آتے ہیں۔ وہ ہیں داؔغ اور حجاب کا کردار۔

ڈاکٹر کمال احمد صدیقی نے ریڈیو ڈرامے کے حوالے سے کیا خوب بات کہی ہے کہ "ریڈیو ڈرامے میں کردار زیادہ نہیں ہو سکتے، مخصوص حالتوں کو چھوڑ کر، اور مخصوص حالتوں میں بھی خاص کردار چند ہی ہوتے ہیں، باقی کردار آتے رہتے ہیں۔ خاص کرداروں اور پلاٹ کو اُجاگر کرنے کیلئے ''اُردو ریڈیو اور ٹیلی ویژن میں ترسیل و ابلاغ کی زبان Ncpul صفحہ 461'' اس بات کے پیشِ نظر عادؔل کے اس ڈرامے کے ہر قسط میں پُرانے ضمنی کردار چلے جاتے ہیں اور نئے کردار آتے رہتے ہیں۔

تمثیل داغؔ میں اشرف عادلؔ نے کرداروں کو انکی فطری زبان بخش دی ہے۔ چونکہ یہ ڈراما براہِ راست ادب سے تعلق رکھتا ہے اور اسکا موضوع بھی ایک ایسی شخصیت ہے جو شاعری سے تعلق رکھتا ہے۔ ایسی بات کے پیشِ نظر یہاں ہر کردار وہی زبان بولتا ہے جو اس سے متعلق ہوتی ہے۔ مکالموں میں بھی نوابانہ ٹھاٹھ پائی جاتی ہے۔ دوسری طرف ڈراما نگار نے اس بات کو بھی مدِ نظر رکھا ہے کہ انکے سامعین ہر طبقے سے تعلق رکھتے ہوں گے۔ اس لئے دقیق ادبی اصلاحوں کے استعمال سے گریز ہی کر دیا ہے۔ چونکہ اسکے بیش مکالمے شاعری میں بھی ہیں جو کہ اصل میں situation کو مدِ نظر رکھکر داغؔ کے اشعار مکالموں کی جگہ پیش کئے گئے ہیں۔ انہیں قارئین رسامعین کو سمجھنے میں کوئی بھی دِقت پیش نہیں آسکتی ہے۔ البتہ داغؔ کی شخصیت کے ساتھ ساتھ ان اشعار کو سمجھنے یا ان کے معرضِ وجود میں آنے کے بارے میں ہمیں پورا پورا پتہ چلے گا۔ ساتھ ہی ہمیں اچھے فنکاروں کے زریعے انکی ادائیگی سے شعری حظ بھی حاصل ہوسکتا ہے۔

تمثیل داغؔ فنی اعتبار سے ایک مکمل اور full length پلے ہے۔ جسکو اگر معمولی کاٹ چھانٹ کے بعد اسٹیج بھی کیا جائے گا۔ تو اچھے ہدایتکار یا ماہر فنکاروں سے یہ کام بھی بہ آسانی ہوسکتا ہے۔

یہ ڈراما ہمیں نہ صرف داغؔ اور منی بائی حجاب کی داستانِ عشق کا لطف دیتا ہے۔ بلکہ اس میں اس دور کے معاشرے کی پوری جھلک ہم دیکھ سکتے ہیں۔ اس زمانے کے آداب، ادب یا شاعری کی قدریں، انگریزوں کی مکرو پالیسی او، سب سے بڑی چیز ایک انسان کی فطری نسوانی کمزوری جو کب سے ایک مسئلہ بن گیا ہے جس پر سگمنڈ فرائڈ لارنس وغیرہ وغیرہ نے کیا کیا نظریات دے دئے ہیں۔ اور ابھی بھی اس مسئلے کے بارے میں نئے نئے انداز سے سوچا

جاسکتا ہے۔

خیر اس ڈرامے کے چھپنے سے اُردو ڈرامے سے متعلق دستیاب مواد میں ایک اہم اضافہ ضرور ہوگا جو نہ صرف ڈراما پڑھنے والے قارئین رشائقین رطلبہ اور اسکالروں کے کام آئے گا، بلکہ یہ ڈراما ہر خاص و عام اُردو کے قاری اور اُردو شاعری سے تعلق رکھنے والے طلبہ کیلئے کافی سودمند بھی ثابت ہوگا۔ اس لئے ان تمام باتوں کے پیش نظر فاضل مصنف اشرف عادلؔ اور میزان پبلشرز کے مالک شبیر احمد صد ہابار مبارک باد کے مستحق ہیں۔

ڈاکٹر محی الدین زورؔ کشمیری
(محکمہ اعلیٰ تعلیم حکومتِ جموں وکشمیر)

تمثیلِ داغ

قسط(1)

کردار:		عمر
۱۔ شمس الدین خان	(والد داغ دہلوی)	30-40 سال
۲۔ داغ	(مشہور شاعر داغ دہلوی)	50 سال (اِس قسط میں)
۳۔ حجاب	(اِس ڈرامے کی ہیروئن رداغ کی محبوبہ)	18-20 سال (اس قسط میں)
۴۔ دائی	(ایک دائی)	50-60 سال
۵۔ جہاں گیرا بیگم	(شمس الدین خان کی بہن)	25-30 سال
۶۔ ولیم فریزر	(انگریز ریذیڈنٹ)	50 سال (لہجہ انگریزی)
۷۔ بہر مارو	(ایک پیشہ ور مجرم اور قاتل)	50 سال
۸۔ جج	(عدالت کا منصف)	50-55 سال
۹۔ پرستار	(داغ کا پرستار)	کسی بھی عمر کا
۱۰۔ طوائف	(ایک طوائف)	30-35 سال
۱۱۔ ایک آواز (مردانہ)	(میلے میں خریداروں کو بُلانے والی آواز)	کوئی بھی عمر
۱۲۔ دوسری آواز	(میلے میں خر وبُلانے والی آواز)	کوئی بھی عمر
۱۳۔ تیسری آواز	(میلے میں خریداروں کو بُلانے والی آواز)	کوئی بھی عمر
۱۴۔ ایک شخص	(داغ کا ایک ساتھی)	
۱۵۔ کوئی آواز	(میلے میں خریداروں کو بُلانے والی آواز)	کوئی بھی عمر
۱۶۔ ایک آواز	(میلے میں خریداروں کو بُلانے والی آواز)	کوئی بھی عمر
۱۷۔ نقاب	(حجاب کی بہن ۔ ایک طوائف)	16 سال
۱۸۔ راوی		

1

راوی:

اُردو ادب میں داغؔ دہلوی صاحبِ طرز اور مقبول ترین شاعر ہیں۔ اُنہوں نے غزل کے علاوہ تقریباً تمام اصنافِ سُخن اور شعری ہیتوں میں اپنے قلم کا جادو بکھیرا ہے۔ داغؔ کی مثنوی فریادِ داغ اُردو کی اہم ترین مثنویوں میں شمار کی جاتی ہے۔ یہ مثنوی داغؔ اور منی بائی حجاب کی داستانِ عشق پر مبنی ہے۔ منی بائی حجابؔ اپنے زمانے کی ایک مشہور طوائف اور شاعرہ تھی، جو داغؔ پر مر مِٹی تھی اور داغؔ بھی اِس پر جی جان سے نثار ہوئے تھے۔ اِس ڈرامے کو صفحہ قرطاس پر اُتارنے میں اِس مثنوی اور ڈاکٹر فرید پربتی کی کتاب "داغ بحیثیتِ مثنوی نگار" سے استفادہ کیا گیا ہے۔

آیئے اب یہ ڈراما سُنتے ہیں" تمثیلِ داغ " جو تین قسطوں پر مشتمل ہے۔

(ڈراما ہلکی سی موسیقی سے شروع ہوتا ہے۔صرف چند سیکنڈ تک موسیقی غم میں ڈوبی ہوئی)

شمس الدین خان: (آواز میں بھاری پن ۔موسیقی پسِ منظر میں چلی جاتی ہے۔)
اے میرے مولیٰ تو بڑا مہربان ہے۔ بڑا رحم والا ہے۔ مجھ پہ بھی رحم فرما۔آج میرے ارمانوں کے خاکے میں ایسا رنگ بھر دے جسے صدیوں کی دھوپ بھی پھیکا نہ کر سکے۔ میں اپنے دیوان خانے میں بیٹھا ہوں۔ بے چین۔ بے قرار اور میری نظریں اُس کمرے کے دروازے پہ لگی ہیں جس کے اندر میری بیگم دردِ زہ میں مبتلا ہے۔اے میرے مولیٰ۔ مجھے ایسی خوش خبری سے نواز دے کہ آج کا دن یعنی 25 مئی 1831ء تاریخ بن جائے۔ یہ دن عید کا ہے یا اللہ اِس عید کی خوشی کو دوبالا کر دے۔(دروازہ کُھلنے کی آواز ۔ایک پُرانا دروازہ) اس کے ساتھ ہی نوزائید بچے کے رونے کی آواز سے کمرہ گونج اُٹھتا ہے۔

دائی: (نزدیک آتی ہوئی آواز) نواب صاحب ۔ مبارک ہو ۔مبارک ہو۔

شمس الدین خان: سلامت۔مبارک۔مبارک ۔دائی ۔یہ بتاؤ کہ ماں اور بچہ دونوں سلامت ہیں نا؟

دائی: نواب صاحب! دونوں بخیر وعافیت ہیں۔

شمس الدین خان: تم نے بچے کے جنس کے بارے میں کچھ نہیں بتایا؟

دائی: اگر لڑکی کی پیدائش ہوئی تو؟

شمس الدین خان: تو ہماری خوشی میں اضافہ ہو جائے گا۔

دائی :نواب صاحب آپ کی بیگم نے آپ کے بیٹے کو جنم دیا ہے۔

شمس الدین خان: دائی۔ شکریہ۔ الحمدللہ۔ دائی ۔ یہ لیجئے۔ یہ سونے کی انگوٹھی۔

دائی: شکریہ ۔ لیکن۔۔۔۔۔؟

شمس الدین خان: لیکن؟

دائی: دلّی کے رئیس اور نواب احمد بخش خان کے صاحبزادے نواب شمس الدین خان کے یہاں بیٹا تولُّد ہونے پر دائی کو فقط ایک سونے کی انگوٹھی سے نوازا جا رہا ہے۔ نواب صاحب آپ ہماری مُفلس نہ دیکھیں بلکہ اپنی شان و شوکت۔۔۔۔۔"

شمس الدین خان: تمہیں اور کیا چاہئے۔ ہم تمہارے مُنہ سے سُننا چاہتے ہیں۔ تم آج جو مانگو گی تمہیں دیدیا جائے گا۔

دائی: ہمیں آپ کے گلے کی یہ مالا چاہئے۔

شمس الدین خان: پہلے ہم یہ مالا اپنے گلے سے نکال دیتے ہیں، چلئے مالا اب ہمارے ہاتھ میں ہے۔ دائی!؟

دائی: حُکم! نواب صاحب؟

شمس الدین خان: تمہیں پتہ بھی ہے اس مالا کی قیمت کیا ہے۔ اِس میں قیمتی ہیرے اور جوہرات جڑے ہوئے ہیں۔

دائی: نواب صاحب! میں بس اِتنا جانتی ہوں کہ میں نے آپ کی بیگم کی گود میں ایک ایسا ہیرا ڈال دیا ہے جس کی چمک کے آگے دُنیا کے تمام ہیرے پھیکے پڑ جائیں گے۔ یہ میری دُعا بھی ہے اور یقین بھی

شمس الدین خان: یہ لو۔ دائی ۔ یہ لو ۔تمہارے جواب نے ہمیں لاجواب کردیا ہے۔اب
تمہیں عمر بھر کام کرنے کی ضرورت نہیں ہے نہ صرف تمہیں بلکہ تمہارے بچوں کے
بچوں کو بھی۔

دائی: شکریہ۔نواب صاحب ۔شکریہ ۔اب لونڈی اجازت چاہتی ہے۔خُدا حافظ۔

شمس الدین خان: خُدا حافظ

جہاں گیرا بیگم: اسلام علیکم بھائی جان

شمس الدین خان: وعلیکم اسلام، جہاں گیرا۔ ہمای بہن۔ ہماری لختِ جگر

جہاں گیرا بیگم: بھائی جان ۔مبارک ۔مبارک

شمس الدین خان: سلامت ۔سلامت ۔مبارک ۔مبارک

جہان گیرا بیگم: بھائی جان۔ میں آج پُھولے نہیں سماتی ہوں کہ میں پوپھی بن گئی ہوں

شمس الدین خان: ہماری دوسری لختِ جگر یعنی ہماری دوسری ہمشیرہ نظر نہں آرہی ہے۔کہاں
ہیں محترمہ؟

جہان گیرا بیگم: وہ بازار گئی ہیں چاندنی چوک۔ کچھ چیزیں اور سامان خریدنا ہے۔آج رات
ہمارے یہاں جشن جو ہو رہا ہے۔

موسیقی (ایک کلاسکل راگنی کے ساتھ خوشی کا اظہار)

2

ولیم فریزر: ہاہاہا

شمس الدین خان: ہاہاہا

ولیم فریزر: نواب شمس الدین خان تم ہمارا بہترین دوست ہیں تم دلی کا بہت بڑا رئیس ہیں بہت بڑا آدمی۔Richman۔دلی میں تمہارا نام ہے۔ہم کو تم پر proud ہے(فخر) فکھر وہی کہتے ہیں نا فکھر (فخر) (لہجہ انگریزی)

شمس الدین خان: ہاہاہا - ہاں - ہاں - وہی کہتے ہیں فخر۔ ولیم تم دِلی کے ریذیڈنٹ ہو۔ انگلستان کے رہنے والے ہو۔دلی میں مقیم ہو لیکن ہمارے دل میں رہتے ہو۔

ولیم فریزر: شکریہ ۔شکریہ Thankyou

سمش الدین خان: ولیم فریزر! ہماری دوستی کی سرحد بہت دُور دُور تک پھیلی ہوئی ہے کوئی بھی اپنے پیار اور محبت کا جھنڈا اِس پر گاڑ سکتا ہے۔

ولیم فریزر: دشمنی کے بارے میں تمہارا کیا پھلسفہ (فلسفہ) ہے۔ I mean philosophy?

شمس الدین خان: ہماری دشمن کے غضب سے اوپر والا ہر کسی کو محفوظ رکھے ہماری دشمن کی شروعات تب ہوتی ہے جب کوئی دوست ہماری دوستی کی پیٹھ میں چُھرا گھونپ دیتا ہے۔اور پھر ہم ہوتے ہیں اور ہماری غضب ناک دُشمنی

ولیم فریزر: نواب! تمہاری دشمنی اور تمہاری دوستی۔ دونوں لاجواب ہیں۔ اور fearless بھی۔

شمس الدین خان: شکریہ۔ ذرہ نوازی

ولیم فریزر: تمہاری دوستی کو تو ہم نے آزمایا۔ تمہارا جیسا دوست انگلستان میں ملنا مُشکل ہے۔
اِس سرزمیں میں کیا کیا نہیں اُگتا۔ اناج ۔پھول۔ ہریالی۔۔۔"

شمس الدین خان: اور دوستی بھی

ولیم فریزر: of course - friendship - دوستی

شمس الدین خان: اور دونوں تم لوگ لوٹ لیتے ہو اناج بھی اور دوستی کی فصل بھی

ولیم فریزر: ہاہاہا ۔ well said ۔ ہاہاہا ۔لیکن اگر یوں کہیں گے کہ دونوں ہم کاٹ لیتے ہیں! کیسا رہے گا۔؟

شمس الدین خان: ولیم ۔چُھری خربوزے پہ گرے یا خربوزہ چُھری پہ گرے۔ کٹنا تو خربوزہ ہی ہے۔

ولیم فریزر: well said ۔ تم کافی intellegent ہو۔ نواب شمس الدین خان، مجھے تم سے ایک ضروری بات کرنا ہے تم بُرا تو نہیں مانو گے؟

شمس الدین خان: ہم نے تمہیں دوست کہا ہے ولیم۔ تم بتاؤ تو صحیح؟

ولیم فریزر: تمہاری ایک بہن کا نام جہاں گیرا بیگم ہے نا؟

شمس الدین خان: ہاں ولیم۔ لیکن۔۔۔۔۔"

ولیم فریزر: وہ بہت خوبصورت ہے اُسے پرسوں ہم نے دیکھا ہے پھر پتہ چلا کہ تمہارا بہن ہے۔
اُسے آج رات ہمارے یہاں بھیج دینا۔۔۔۔۔"

شمس الدین خان: ولیم (اچانک چیخ پڑتا ہے) ولیم! تم یہ سمجھ لینا کہ آج تم نواب سے نہیں بلکہ اپنی موت سے ملے تھے۔

(موسیقی)

☆

3

شمس الدین خان: بہرمارو۔تم جانتے ہوتم کو ہم نے کس لئے طلب کیا ہے؟

بہرمارو: نہیں سرکار؟ آپ حکم کیجئے؟

شمس الدین خان: پہلے شربت نوش کرو۔(پیالوں کے ٹکرانے کی آواز)

بہرمارو: (ایک گھونٹ لیتے ہوئے) حضور! کس کو سرکار کے قدموں میں حاضر کرنا ہے؟ زندہ یا مردہ؟

شمس الدین خان: (ایک گھونٹ لیتے ہوئے۔ پیالوں کی آواز) پورے جسم کو نہیں بلکہ فقط کسی کا سر تمہیں ہمارے جوتے کی نوک پر ڈال دینا ہے۔

بہرمارو: (گھونٹ لیتے ہوئے) شام ہونے سے پہلے وہ مغرور سر آپ کے قدموں میں ہوگا حضور

شمس الدین خان: بہرمارو! یہ کام اتنا آسان نہیں ہے؟

بہرمارو: ہاہاہا ---- ہاہاہا ---- ہاہاہا

شمس الدین خان: بہرمارو (ڈانٹے ہوئے)

بہرمارو: گستاخی معاف۔ حضور ۔میں اپنے ہنر کے نشے میں اپنی حیثیت تھوڑی دیر کے لئے بھول گیا تھا۔معافی چاہتا ہوں

شمس الدین خان: تمہیں معاف کیا گیا۔

بہر مارو: حضور اُس شخص کا نام بتائیے جس کی روح پر موت کی مہر لگانی ہے؟

شمس الدین خان: اُس کا نام ہے "ولیم فریزر"

بہر مارو: ولیم فریزر (حیرانگی کا اظہار) آپ کا اِشارہ دِلّی کے ریذیڈنٹ کی طرف ہے؟

شمس الدین خان: ہاں بہر مارو۔ ہاں۔ مجھے اُس کا سر چاہئے کسی بھی قیمت پر ۔ میں تمہیں مالا مال کر دوں گا۔

بہر مارو: نواب صاحب! آپ نے مجھے اِس کام کے لئے چُن لیا ہے یہ کیا کم ہے۔ آپ کے حکم کی تعمیل ہوگی۔

شمس الدین خان: شکریہ بہر مارو۔ شکریہ۔ مجھے تمہارے ہُنر پر پورا بھروسہ ہے۔ میں تمہارا قرض دار رہوں گا۔

بہر مارو: حضور۔ میں یہ پوچھنے کی مجال نہیں کرونگا کہ ولیم سے آپ کی دُشمنی کی وجہ کیا ہے۔ لیکن میں جانتا ہوں کہ آپ ایک نیک آدمی ہیں ضرور اُس نے کوئی ایسا کام کیا ہوگا جس کی وجہ سے آپ کو اتنی تکلیف پہنچی ہے کہ آپ اُس کے خون کے پیاسے بن گئے۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ انگریز اِس ملک کا دُشمن ہے ہم سب کا دشمن ہے۔

شمس الدین خان: اِس کام کے لئے تمہیں جو بھی چاہئے تمہیں مل جائے گا

موسیقی (کلاسکل ساز پر مبنی)

☆

4

(شور ۔سرگوشیاں ۔کئی آوازیں ایک ساتھ)

جج: آرڈر ۔ آرڈر (میز تھپتھپانے کی آوازیں ۔انگریزی لہجہ) (Pin drop silence for a while)

جج: آج یہ عدالت william Frazer ریذیڈنٹ آف دِلّی Murder case کا فیصلہ سُنانے جارہی ہے۔ عدالت نے وکیلِ عام اور وکیلِ سرکار کے Discussions غور سے سُنے ۔کئی پیشیوں میں ۔قاتل کریم خان عرف بھر مارو کے بیان کو بھری عدالت میں سُنا گیا۔اسلئے یہ عدالت نواب شمس الدین خان ولد نواب احمد بخش خان کو william Frazer کے قاتل کریم خان کی پشت پناہی کرنے کے جُرم میں سزائے موت کا حکم سُناتی ہے۔مجرم کو ۳ اکتوبر 1835ء کو دہلی میں کشمیری گیٹ کے قریب تب تک پھانسی پہ لٹکایا جائے جب تک کہ نہ اُس کی روح قبض ہو جائے۔

(شور ۔سرگوشیاں ۔پھر سے)

شمس الدین خان: یا اللہ میری شہادت قبول فرما! (سنجیدگی کے ساتھ)

اِنَّ للہ وَ اِنَّ للہِ راجِعُونْ

موسیقی (شہنائی ۔جس میں غم کے راگ ہوں)

5

راوی: اِس طرح داغؔ بچپن میں ہی یتیم ہو گئے اور اُن پر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے اُن کی والدہ نے ولی عہد بہادر مرزا فخرو سے شادی کر لی بعد ازاں داغ بھی قلعے میں بلائے گئے۔ ولی عہد فخرو کے انتقال کے بعد داغ کو قلعہ چھوڑنا پڑا۔

داغؔ: ہاہاہا۔ آپ ہماری شاعری کے پرستار ہیں۔ یہ جان کر انتہائی خوشی ہوئی صاحب!

پرستار: آپ کا پرستار تو سارا زمانہ ہے۔ رامپور میں شاعر تو بہتیں لیکن شاعروں کی امامت حضرت داغؔ ہی کرتے ہیں۔ والی رامپور نواب کلب علی خان آپ کے ایک ایک شعر پر دِل نثار کرتے ہیں۔ آپ کو قدر کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔۔۔۔"

داغؔ: لیکن ہوں تو اُن کا نوکر ہی؟

پرستار: ہم نے سُنا ہے کہ اِسی سال یعنی 14 اپریل 1866ء میں آپ کا تقرر زمرۂ مصاحبین میں ہوا۔

داغؔ: آپ نے صحیح سُنا ہے۔ پہلے بِنا کام کے ہی اُجرت ملتی تھی۔ لیکن اب باقاعدہ نوکری فراہم کی گئی یعنی گلے میں زنجیر ڈال دی گئی۔ اور پاؤں میں بیڑیاں۔

پرستار: سُنا ہے آپ کا بچپن قلعے میں گزرا ہے۔ درسی کتابیں آپ نے قلعے میں ہی اساتذہ سے پڑھیں۔

داغؔ: ہاں بھئی ہاں۔ والد کا سایا بچپن میں ہی سر سے اُٹھ گیا۔ پھر ہماری والدہ نے مرزا

فخرو ولی عہد دہلی سے عقد ثانی کرلیا۔ اِس دوران ہمیں بھی قلعے میں بلوالیا گیا اُس وقت ہماری عمر یہی کوئی بارہ تیرہ سال کی رہی ہوگی۔

پرستار: سُنا ہے آپ نے قلعے میں خطاطی، بانک پھکیتی علی مد چابکسواری اور شہسواری بھی سیکھی ہے۔

داغ: آپ تو ہمارے بارے میں بہت کچھ جانتے ہیں۔ہم میں ایسا کیا ہے؟

پرستار: آپ میں کتنے ہُنر ہیں۔کیا کیا نام گنواؤں؟

داغ: ہُنر تو بہت جانتا ہوں۔خود ولی عہد بہادر مرزا فخرو نے ہمیں بندوق بازی تیرا ندازی، چورنگ اورستی کاٹنا سکھایا۔۔۔لیکن۔۔۔۔" (تھوڑا سا وقفہ)

پرستار: آپ خاموش کیوں ہوگئے؟

داغ: لگ گئی چُپ تجھے اے داغِ حزیں کیوں ایسی
مجھ کو کچھ حال تو کم بخت بتا تو اپنا

یہ شعر میں نے بچپن میں کہا تھا۔شاید مستقبل کے لئے

پرستار: قلعے میں تو مزے ہی مزے عیش ہی عیش کئے ہوں گے آپ نے

داغ: تم آگے داورِ محشر کے سُننا داستاں میری
وہاں کب چوکتا ہوں، پیش چلتی ہے جہاں میری

بھائی۔ وہ زندگی کا حِصّہ ہم نے جیسے خُلد بریں میں گزارا تھا (پسِ منظر میں نسوانی آواز میں مرزا غالب سیریئل کا مُجرا) حسیناؤں کی محفلیں جب یاد آتی ہیں تو دل پر جیسے کوئی چابک مارتا ہے۔ وہ سنگیت وہ راگ راگنی (پسِ منظر میں کلاسکل راگنی) وہ بزم آرائیاں دل عش عش کرتا ہے۔من کے آنگن میں سنگیت کے دریا بہنے لگتے ہیں۔

پرستار: سُنا ہے قلعے میں بڑے بڑے اُستاد مشاعروں میں اپنا رنگ جماتے تھے

داغ: مشاعروں کا حال نہ پوچھ کم بخت۔(پسِ منظر میں واہ واہ واہ کے نعرے بُلند ۔
(سبحان اللہ ۔ سبحان اللہ)

عجیب اپنا حال ہوتا جو وصال یار ہوتا (پہلا مصرع پسِ منظر میں)
کبھی جان صدقے ہوتی کبھی دل نثار ہوتا (دوسرا پسِ منظر میں)

(اس دوران پسِ منظر میں موسیقی مگر بہت ہی ہلکی جیسے سارنگی کا ساز)(دوسرا مصرع
پسِ منظر میں واہ واہ کے نعروں کے ساتھ)

جب ہم نے مومنؔ اور اُستاد ذوقؔ کے بیچ یہ شعر پڑھا تو مشاعرہ دیر تک سنان تھا
مشاعرے میں ایک سنسنی سی پھیل گئی اور پوری محفل چمک اُٹھی۔

پرستار: آپ قلعے سے نکل کہ یہاں رامپور کیوں آ گئے

داغ: نکلنا خُلد سے آدم کا سُنتے آئے ہیں لیکن
بہت بے آبرو ہو کر تیرے کوچے سے ہم نکلے

جناب من! بہشت سے آدم بھی خود نکلا نہیں بلکہ اُسے نکالا گیا۔آدم کو شیطان نے
نکلوادیا اور ہمیں اپنی قسمت کی سیاہی نے۔ولی عہد مرزا فخرو کے انتقال کے بعد ہمیں
قلعے کی زندگی کو خیر باد کہنا پڑا۔

(کسی روایتی راگنی کی موسیقی)

☆

6

طوائف: پُرانے (داغ سے پہلے زمانے کا) کلام پر مبنی مُجرا نسوانی آواز یا سیریئل مرزا غالبؔ کا مُجرا)

داغؔ: (مُجرا پسِ منظر میں چلا جاتا ہے)

قرینے سے عجب آراستہ قاتل کی محفل ہے

جہاں سر چاہئے سر ہے جہاں دل چاہئے دل ہے

(بھاری اور سنجیدہ آواز میں)

ہے تقدیر کس آرام وراحت سے وہ بسمل ہے

کہ جس کے سر کا تکیہ دیر سے زانوئے قاتل ہے۔

طوائف: (مُجرا پھر پسِ منظر میں)

داغؔ: طریق عشق کچھ آسان ہے کچھ ہم کو مشکل ہے۔

اِدھر رہبر اُدھر رہزن یہ منزل بہ منزل ہے۔

داغؔ: طریق عشق کچھ آسان ہے کچھ ہم کو مشکل ہے

اِدھر رہبر اُدھر رہزن یہی منزل بہ منزل ہے

(مُجرا پھر پیش منظر میں)

داغؔ: مجھے تجھ لگاوٹ اور تو غیروں پہ مائل ہے

میرا دل اب تیرا دل ہے تیرا دل اب میرا دل ہے

(مجرا پیش منظر میں)

(مُجرا بند ہو جاتا ہے)

داغ: اے رشکِ حور تمہارے پیر کیوں رُک گئے تمہاری زبان بند کیوں ہوئی، تمہارے اِن ساتھیوں کے ساز تھم کیوں گئے؟

طوائف: کنیز گُستاخی کے لئے معافی چاہتی ہے۔ میں کوئی آسمانی مخلوق نہیں ایک انسان ہوں۔ آپ کے تیر میرے کلیجے کو چھلنی کر دیتے ہیں۔

داغ: ہمیں خوشی ہوئی کہ تمہیں اچھے اور بُرے شعر کا ادراک ہے ہمیں تمہاری یہ شعر فہمی بہت اچھی لگی۔ مگر۔۔۔۔"

طوائف: مگر۔۔۔۔۔"

داغ: اپنے آپ کو آگ سے دُور ہی رکھنا اِسی میں تمہاری بھلائی ہے۔ تم موم کی گُڑیا ہو آگ سے تمہاری دوستی ہو گئی تو پگھل جاؤں گی۔

طوائف: حضور۔ کنیز کب کی پگھل چکی ہوتی لیکن آپ کی شاعری کی تپش نے اِسے فولاد بنا دیا ۔حضور۔ کل سے "بے نظیر " کا میلہ شروع ہو گیا ہے۔ آپ۔۔۔۔۔۔۔"

داغ: نہیں۔ ابھی نہیں گیا ہوں۔ کل ضرور جاؤں گا۔ سُنا ہے اِس بار کچھ مشہور طوائفیں اور گلوکار بھی آ رہے ہیں اور قوال بھی۔

طوائف: ہاں میں نے بھی سُنا ہے۔ والی رامپور نواب کلب علی خان نے بے نظیر کا میلہ شروع کرا کے ہندوستان کی صنعت و حرفت اور تجارت میں چار چاند لگا دیئے۔

داغ: بالکل۔ اِس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں ہے اور ہم جیسے مستانوں کے لئے مستی کا

سامان فراہم کیا گیا۔اے ماہِ لقا اب تم جا سکتی ہو۔اور ہاں کل پھر آ جانا
(تھوڑی دیر کے لئے طبلے کی تھاپ)

☆

7
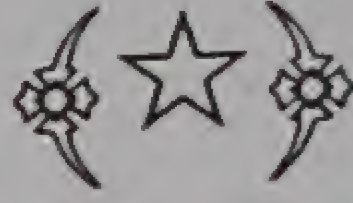
(بے نظیر کا میلہ)

(طبلے کی تھاپ اور سارنگی کے ساز کا میل۔ اِس کے ساتھ ساتھ کچھ آوازیں) (شوروغُل)

ایک آواز: آیئے آیئے ۔ اپنا نشانہ آزمایئے۔ آیئے ۔ صرف ایک آنے میں اپنا نشانہ آزمائے۔ (سازپسِ منظر)

دوسری آواز: بنارسی ساڑھیاں۔ بنارسی ساڑھیاں ۔آیئے ۔آیئے خوبصورت کڑھائی کے ساتھ۔بنارسی ساڑھیاں (سازپسِ منظر میں)

تیسری آواز: جے پوری جوتے۔ جے پوری چپل ۔آیئے۔آیئے خوبصورت جوتے ۔دِلکش چپلیں۔آیئے آیئے (سازپسِ منظر میں)

(ساز پسِ منظر میں، بہت ساری آوازوں اور شور کے ساتھ جیسے میلے کا سماں پیدا ہو جائے)

داغ: صادقِ میاں؟ (سازاورآوازیں پسِ منظر میں)

اک شخص: حضور؟

داغ: پچھلے کئی سالوں سے میں بے نظیر کا یہ میلہ دیکھتا آرہا ہوں لیکن اِس بار چاروں طرف خوشی رقص وسُرور اور عیش کی بوچھار ہے۔

ایک شخص: آپ بالکل دُرست فرماتے ہیں۔

داغ: یہ دلکش ماحول اور اُس پر رات کے جادو کا اثر۔رات کے اندھیرے نورانی قمقموں اور

روشنیوں سے جیسے وضو کر رہے ہوں۔

ایک شخص: حضور۔آپ یہاں کھڑے کیا کر رہے ہیں چلئے آگے چلتے ہیں۔دیکھئے ہر طرف دُور دُور تک چھوٹی چھوٹی دُکانیں سجائی گئیں ہیں۔

داغ: کتنا خوبصورت نظارہ ہیں۔دیکھو! وہ! وہ! مصنوعی نہر جو اِس نمائش گاہ کے بیچوں بیچ رواں دواں ہے۔اِسے خوبصورت اور رنگین روشنیوں سے قابلِ رشک اور دیدہ زیب بنالیا گیا۔اور اِس نہر کے بیچ میں یہ چبوترے کتنے دلکش دِکھائی رے رہے ہیں۔

اک شخص: کچھ لاگ کچھ لگاؤ محبت میں چاہئے
دونوں طرح کے رنگ طبعیت میں چاہئے

داغ: وہ یاد ہم کو ہے اب تک شراب کی تعریف
کبھی ملے تھے کسی رِند بادہ خوار سے ہم
چلئے میاں۔ آگے آگے دیکھتے ہیں ہوتا ہے کیا؟ ہمارے ہی اشعار سے ہمیں زیر کئے جا رہے ہو۔

اک شخص: حضور آپ کا عاشق جو ٹھہرا

داغ: ارے ارے ٹھہرو میاں کہاں جا رہے۔رُکو تو صحیح

(شور، سنگیت اور آواز میں پس منظر میں تھوڑی دیر کے لئے)

کوئی آواز: حضرات! آپ بھی قسمت آزمائے۔یہ جو پھسلن آپ دیکھ رہے ہیں دراصل یہ پتھر کی سِل ہے۔اِس پر تیل ڈالی گئی ہے۔اور اِس کی اونچائی دس فٹ کے قریب ہے اوپر جو سُرخ تھیلی ہے اِس میں پانچ روپئے ہیں۔آپ بھی اِسے حاصل کر سکتے

ہیں۔

اک آواز: کیسے میاں جی۔ کیسے حاصل کریں۔

کوئی آواز: اِس پھسلن پر چڑھ کر اگر آپ اِس تھیلی تک پہنچ سکے تو یہ تھیلی آپ کی۔

داغ: چلو میاں۔ یہ آپ کے بس کا روگ نہیں۔

اک شخص: چلئے حضور۔؟ یہ روگ تو بے دلوں کا ہے۔ ہم ٹھہرے دِل والے حضور! اب میں آپ کو آپ کی دلچسپی کی چیز دکھاتا ہوں۔

(مجرا کسی پُرانے شاعر کے کلام پرمبنی۔) (تھوڑی دیر تک۔ آواز فاصلے سے آرہی ہے)

داغ: واہ! واہ۔ کیا آواز ہے؟ کیا سنگیت ہے؟ واہ! واہ! (مُجرا پسِ منظر میں)

اک شخص: حضور۔ ابھی آپ ساز اور آواز سے ہی لطف اندوز ہوئے ہیں۔ جب محترمہ کی صورت دیکھیں گے تو ہوش اُڑ جائیں گے۔

داغ: چلو میاں جلدی چلو۔ ہماری بے قراری بڑھ رہی ہے۔

اک آواز: حضور۔ اب دیدار کیجئے۔ بھیڑ کافی ہے۔

(مجرا پیش منظر میں، مگر آواز قریب سے)

داغ: غمزہ سفاک، بلا ناز، قیامت انداز
چشم مشتاق ادائیں تری کیا کیا دیکھے

(شعر بھاری لچکدار آواز میں۔ جیسے اندر ہی اندر پڑھ رہا ہو کھینچ کھینچ کے)

کیا سُریلی ہیں صدائیں تری، کیا جلوہ ہے
سُننے والا یہ سُنے، دیکھنے والا دیکھے

وہ دوپٹے کا سرکنا وہ کسی کا کہنا
آنکھیں پھوٹیں جو کوئی سینہ ہمارا دیکھے
دیکھنے کے لئے آنکھیں ہوں جب ایسا ہو جمال
حُسن یوسف کو جو دیکھے تو زلیخا دیکھے

(مُجرا پیش منظر میں)

اِک آواز: کہاں کھو گئے حضور؟ (مجرا پس منظر میں)

داغ: حُسن کی بے پناہ گہرائیوں میں۔ ان کا نام کیا ہے؟

اک آواز: حجاب۔ مُنی بھائی حجاب۔

داغ: او۔ تو یہی ہیں مُنی بھائی حجاب۔ اِن کے چرچے تو سارے ہندوستان میں ہیں۔ نام کافی سُنا ہے۔ آج دیدار سے بھی فیض یاب ہوئے۔

اک آواز: سُنا ہے شعر بھی کہتی ہیں محترمہ۔ حجاب تخلص کرتی ہیں۔

داغ: یہ شعر کہے یا نہ کہیں۔ ہمارے اندر سے شاعری کا سمندر اُمڑنے کو بے قرار ہے۔

(طبلے کی تھاپ پر کوئی راگنی)

8

راوی:

رُخ سے ظاہر تھا نور کا عالم
اور اِس پر غرور کا عالم
جٹی جٹی بھوؤں کی وہ تحریر
کیوں نہ دل اِس لکیر پر ہو فقیر

(بھاری آواز اور سنجیدہ بھی)

چشم خون ریز وہ فساد انگیز
جس کا شاگرد فتنۂ چنگیز
گات بانکی بدن سڈول تمام
فتنہ قد فتنہ چشم فتنہ خرام

(ایک پل کے لئے موسیقی)

داغؔ: ہوش آتے ہی حسینوں کی قیامت آئی
آنکھ میں فتنہ گری دل میں شرارت آئی

حجابؔ: داغؔ گھبراؤ نہیں اب کوئی دم کے دم میں
لو مبارک ہو ترقی کی بھی ساعت آئی

داغؔ: اِس کا مطلب ہے ہمارا کلام آپ کی نظروں سے بھی گزرا ہے۔

حجاب: نواب میرزا خان داغؔ دہلوی کے کلام نے سارے ہندوستان میں دھوم مچا دی ہے۔ کنیز بھی آپ کے کلام کی دلدادہ ہے۔

داغؔ: حجاب۔ جب سے آپ کو دیکھا ہے تب سے دل قابو میں ہے نہ ہوش وحواس۔

حجاب: میرا بھی یہی حال ہے۔ میں اپنی اداؤں اور ناز و انداز کا سودا کرتی ہوں۔ طوائف ہوں۔ ہوش اُڑانا میرا پیشہ ہے لیکن آج پہلی بار میرے ہوش بھی کسی نے ٹھکانے لگا دیئے۔

داغؔ: آج ہماری اور آپ کی تیسری ملاقات ہیں۔ لیکن لگتا ہے کہ یہ سلسلہ سو سال پہلے شروع ہو چکا ہے۔ آپ کی عمر فقط 19-18 سال کے قریب ہوگی اور ہم پچاس سال کے ہو چکے ہیں۔ آپ کے عشق نے ہمارے اندر نوجوانی اور عہدِ شباب کے ہزاروں باب کھولے ہیں۔ ہم نوجوانوں کی طرح سوچنے لگے ہیں۔

حجاب: میں آپ کی روح سے پیار کرتی ہوں یعنی آپ کی شاعری سے

داغؔ: ہماری صورت کے بارے میں کیا خیال ہے؟

حجاب: آپ کی صورت اُتنی بُری بھی نہیں گو کہ آپ سیاہ فام ضرور ہیں۔

داغؔ: لیکن تھوڑی سی بُری ضرور ہے۔ اوپر سے نوجوان بھی نہیں ہیں۔

حجاب: میں چاہتی ہوں کہ جب تک رامپور میں رہوں آپ سے روز ملتی رہوں۔

داغؔ: ہم چاہتے ہیں کہ آپ یہی رہیں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے

حجاب: ابھی یہ ممکن نہیں۔ میلہ ختم ہوتے ہی وطنِ عزیز کلکتہ کا رُخ کرنا پڑے گا۔ کنیز مجبور ہے۔

(موسیقی کے بدلے کچھ شعر)

☆

9

راوی:

کوئی تو محبت میں مجھے صبر ذرا دے
تیری تو مثل وہ ہے نہ میں دوں نہ خُدا دے
بے جرم کرے قتل وہ قاتل ہے ہمارا
یہ شیوہ ہے اس کا کہ خطا پر نہ سزا دے

حجاب: میری بہن حمیدہ بھائی نقاب تم یہاں کیوں چلی آئی۔ تم نہیں جانتی یہ والئی رامپور نوب کلب علی خان کے بھائی نواب حیدر علی خان کی کوٹھی ہے۔ فرشتوں کو بھی یہاں آنے کی اجازت نہیں۔

نقاب: میں جانتی ہوں دیدی! مجبوری نے اِتنا مجبور کر دیا کہ یہاں چلی آئی

حجاب: تمہیں یہاں نہیں آنا چاہئے تھا۔

نقاب: میرزا داغ کی حالت غیر ہوتی جا رہی ہے۔ غُصہ پی رہے اور غم کھا رہے ہیں۔ آپ کا یہاں آنا اُنہیں سخت نا گوار گزرا ہے۔

حجاب: میں کیا کر سکتی ہوں خود نہیں آئی نواب حیدر علی خان کا حُکم ٹال بھی تو نہیں سکتی۔ آخر اُنہوں نے ہی مجھے اس میلے میں بُلایا ہے۔

نقاب: آپ اِس کی جو چاہے دلیل دے سکتی ہیں لیکن میرزا کے دل پر زبردست چوٹ لگی ہے۔اُنہوں نے آپ کے نام یہ رقعہ بھیجا ہے۔

حجاب: ذرا اِدھر دیدے!

نقاب: یہ لیجئے۔میں جارہی ہوں

حجاب اچھا تم جاؤ۔ خُدا حافظ

نقاب: خُدا حافظ

حجاب: اب ذرا خط کھول تو دوں۔کیا لکھا ہے میرزا داغ دہلوی نے۔ (خط کُھلانے کی آواز)

ستم گر وستم پیشہ،شوق ملاقات کے بعد مدعا نگار ہوں۔۔۔۔۔۔"

داغ: (اب داغ کی آواز)۔۔۔۔کہ تم دو روز سے نواب صاحب کے یہاں ہو۔یہاں دل پر عجیب عالم گزر گیا۔میں نہیں مانوں گا کہ تم مجبور ہوگئیں۔اس ریاست میں میں ایسی بھی خُدا کی بندیاں موجود ہیں کہ جو رئیس کے ہزار دباؤ پر بھی اپنی جگہ سے حرکت نہیں کرتیں۔جس سے واسطہ ہے اور جن سے وفاداری کا عہد کر چکی ہیں۔اپنے قول وقرار پر قائم ہیں۔ایک طرف دولت ہے ریاست ہے اور ہر طرح کی شان و شوکت لیکن محبت نام وہاں عنقا رکھا گیا ہے۔تمہارا دلدادہ اُن کے مقابلے میں کوئی خوبی نہیں رکھتا۔مگر تمہاری الفت میں جان سے ضرور گزر سکتا ہے۔کیا میرے رقیب بھی ایسا کر سکتے ہیں۔تم کو یقین ہے اور جب نہیں کر سکتے ہیں تو پھر کس لئے تم داغ سے پرستار کو محو کئے ہو؟ دِل پر جبر کر کے لکھتا ہوں کہ اگر واقعی ترکِ تعلق منظور و پسند نہیں تو پھر مجھے دید وشنید سے کیوں محروم رکھا جاتا ہے۔

تم جانو تم کو غیر سے جو رسم و راہ ہے
مجھکو بھی پوچھتے رہو تو کیا گناہ ہے

﴿☆﴾

10

داغؔ: مرے مر مٹے دل کو کیا پوچھتے ہو
نشانی کو یہ بے نشانی نہیں ہے
کہو تو ابھی چیر کر دِل دکھادیں
محبت ہماری زبانی نہیں ہے۔

حجاب: حضرت! ہمیں آپ کی محبت پر بھروسہ ہے اِس کے سہارے ہی تو زندہ ہیں انسان ہیں ورنہ ایک طوائف کی زندگی بھی کوئی زندگی ہے۔

داغؔ: منی بھائی! ہمیں بھی آپ کی محبت پر ایمان ہے۔ کاش آپ کی وفا میں بے وفائی کے دھبےّ نہیں ہوتے تو داغؔ کی زندگی یوں داغ داغ نہیں ہوتی۔

حجاب: ہم اِس کے لئے معذرت خواہ ہیں اگر میرے نواب حیدر علی خان کے یہاں جانے سے آپ کو تکلیف پہنچتی ہے تو۔۔۔۔۔۔۔"

داغؔ: تکلیف ہی نہیں۔ اے دِلربا۔۔۔۔۔۔۔ بلکہ روح کو بھی اذّیت پہنچتی ہے۔

حجابؔ: نواب نے بُلاوا بھیجا میں انکار نہ کرسکی کیوں کہ اُن ہی کی وجہ سے ہم اِس میلے میں شریک ہوئے۔

داغؔ: کس کی طاقت ہے کرے کوئی بُرائی آپ کی
ساری دُنیا آپ کی ساری خدائی آپ کی

حجابؔ: اب جو ہوا سو ہوا، آئیندہ میں کوشش کروں گی کہ میری وجہ سے آپ کے دِل کو کوئی

ٹھیس نہ پہنچے۔

داغؔ: میں ایسی اُمید رکھوں گا۔

عجیب لطف ہے اِس گفتگو کا کیا کہنا

بُرا عدو کو کہو، مجھ پہ ڈھالتے جاؤ

حجابؔ: رامپور میں تقریباً ایک مہینہ گُزر گیا پتہ ہی نہیں چلا کیسے گُزر گیا آپ کی صحبت کی وجہ سے۔

داغؔ: ایک مہینہ گُزر گیا اور ہمیں خبر بھی نہ ہوئی

حجابؔ: حضرت! میں کل کلکتہ واپس جارہی ہوں کیوں کہ میلہ ختم ہو چکا ہے۔ اور جانا بہت ضروری ہے۔

داغؔ: حجاب، ہم آپ کو روک بھی نہیں سکتے اور نہ الوداع کہہ سکتے ہیں۔ بس اتنی گزارش ہے کہ کلکتے پہنچ کر ہمیں نہ بھول جانا ہم سے رشتہ بنائے رکھنا، خط و کتابت کے ذریعے ہی سہی۔ جب تک آپ کے خطوط آتے رہیں گے ہماری سانس چلتی رہے گی۔

راوی:

(سنجیدہ اور بھاری بھرکم آواز)

اِس کے لب پر پیام رُخصت کا

میرے دل میں مقام حسرت کا

قصد ٹھہرا وطن کے جانے کا

رنگ بدلا نیا زمانے کا

خط و کتابت کے ہوگے اقرار
شکر مہر و وفا کیا میں نے
بخشوایا کہا سُنا میں نے

☆
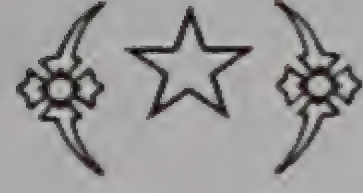
11

داغ: آج دس (10) دن ہو گئے۔ لیکن مُنی بائی حجاب کا کوئی خط نہ آیا (سانس اندر کی طرف لیتے ہوئے اور چھوڑتے ہوئے) کتنی منتیں کی تھیں کہ خط ضرور لکھنا لیکن اُس کے اور بھی چاہنے والے ہوں گے۔ اُن کے ساتھ رہتی ہوں گی اور اُن کی دلداریاں کرتیں ہوں گی۔ ہماری محبت طاقِ نسیاں کی نزر کر دی گئی ہوگی۔

خبرِ دل ربا نہیں آتی
اُس طرف کی ہوا نہیں آتی
نخرے آتے ہیں، ناز آتے ہیں
ایک تم کو وفا نہیں آتی

کئی خط اُس بے وفا کے نام ارسال کر چکا ہوں۔ چلو ایک اور خط لکھتے ہیں۔

دِل دار و دل نواز! (جیسے خط لکھا جا رہا ہے اور ساتھ ساتھ پڑھا بھی جا رہا ہے اندر ہی اندر) کیا غضب ہے آنکھ سے اوجھل ہوتے ہی۔۔۔۔۔۔"

حجاب: ۔۔۔۔۔۔" نگاہیں پھر گئیں۔ وہ سب قول و قرار یک لخت فراموش کر دیئے (حجاب اپنی آواز میں خط پڑھتی ہے)

حجاب: "۔۔۔۔خط روانہ کیا تھا وہاں کی دلچسپیوں میں اتنی محو کہ جواب دُنیا محال ہو گیا۔ میرے سینے میں دل نہیں، یا دل میں تڑپ نہیں کیا بے قرار ہونا مجھے نہیں آتا، کیا

تلملانا میں نہیں جانتا، اِس خط کا جواب جلد سے جلد نہ آیا تو خود بازار جا کر زہر لاؤں گا اور بے موت مر کر دِکھاؤں گا، تم سے وعدہ لیا تھا اور تم واعدہ کر کے گئی تھیں کہ روز نہیں تو ہفتے میں دو بار خط ضرور لکھا جائے گا آج دس دن ہو گئے، خیر ہے نہ خبر اور کچھ اگر نہ لکھتیں تو خیریت سے ہی اطلاع دے دیتیں۔ یہاں تو جس روز سے گئی ہو جان پر بنی ہے۔کوئی بات اچھی نہیں لگتی۔ جب تک تمہارا خط نہ آئے۔ دِل کو کیسے چین آئے۔"

تمہارا اپنا

داغؔ

حجابؔ: جناب کے ہوش ٹھکانے آ چکے ہیں۔ ہماری جدائی میں بےقرار ہو رہے ہیں۔ داغؔ کے شعر سارے ہندوستان میں گونج رہے ہیں لیکن ہماری جُدائی کے داغ نے داغؔ کے دِل میں داغؔ کر دیا ہے۔

(پائل کی جھنکار کے ساتھ ساتھ طبلے کی تھاپ۔)

اختتام قسط ایک

☆

تمثیلِ داغ

قسط(2)

کردار:

		عمر
۱۔ داغؔ		50۔ سال
۲۔ حجاب		18-20 سال
۳۔ میرزا شاغلؔ	(داغ کا اخیافی بھائی)	35سال
۴۔ ایک رئیس دوسرا رئیس	(داغ کے پرستار عظیم آباد میں)	(کسی بھی عمر کی آوازیں)
۵۔ میر باقرؔ	(داغ کا ایک پرستار عظیم آباد میں)	65سال
۶۔حبیب	(ملازم)	(کسی بھی عمر کی آواز)
۷۔مشہور رئیس	(داغؔ کا پرستار عظیم آباد میں)	(کسی بھی عمر کی آواز)
۸۔ناظم	(ناظم مشاعرہ)	---
۹۔عبدالرزاق شادؔ	(ایک شاعر داغؔ کا پرستار کلکتہ میں)	50سال
۱۰۔راوی		

1

راوی: وہ نکیلی ادائیں دھیان میں ہیں
وہ سُریلی صدائیں کان میں ہیں
گر نہیں وصل یارِ جانی کا
لطف کیا ایسی زندگانی کا
ہجر باعث ہے خستہ جانی کا
ہجر دشمن ہے زندگانی کا

راوی: اِس طرح ایک سال تک ہجر کی آگ میں داؔغ دہلوی جلتے رہے سال 1881ء ختم ہوتے ہی، داؔغ نے حجاب کو بےنظیر کے میلے میں شرکت کرنے کی دعوت دینا شروع کردی۔ اِس طرح مارچ 1882ء کو مُنی بھائی حجاؔب ایک بار پھر وارِدِ رامپور ہوئی۔

راوی: صورتِ نامہ و پیام رہی
خط وکتابت کی دھوم دھام رہی
اِن کو لکھا بطورِ اِستمزاج
سارے میلوں سے ہے یہ بڑھ کر آج
دیکھو تم بے نظیر کے جلسے

ہر برس ہوشریک سا اول سے
کچھ رہو رامپور میں آکر
لطف اُٹھاؤ حضور میں آکر

☆
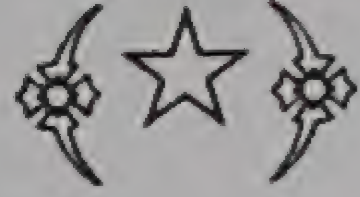
2

داغ: ایک سال کے بعد آپ سے ملاقات ممکن ہوسکی۔ تمہارے اور ہمارے درمیاں مجبوریوں کی دیوار حائل ہے۔ ہم اِس دیوار کو گرادینا چاہتے ہیں۔

حجاب: میرے محبوب! میں بھی ہجر کی آگ میں ایک سال تک جل کر کباب ہو چکی ہوں۔ میں بھی اِس دیوار کو اب درمیاں حائل دیکھنا نہیں چاہتی۔

داغ: مگر ہمارے چاہنے یا نہ چاہنے سے کچھ نہیں ہوگا۔ قسمت کی لکیروں میں ہمارے آنسو اور جذبات بہتے جائیں گے۔

ہیں جاتی فلک تک آہ قسمت کی بُرائی سے

حجاب: حضرت! ہونی کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔ کل کی کل پر چھوڑتے ہیں آج تو ہمارا ہے۔ یہ مدّت قلیل ہی صحیح، لیکن ہے تو ہمارے ہی بس میں۔

داغ: حجاب تم صحیح کہہ رہی۔ کم از کم دو مہینے تک یکجائی رہے گی۔ ہم وقت کیوں ضائع کریں۔ محبت محبت اور فقط محبت کریں گے محبت کے سوا کچھ کریں گے تو محبت ہی کریں گے۔

حجاب: ہاں میرے سرتاج! آپ کا فرمانا دُرست ہے۔ وقت ضائع کیوں کریں۔ میں آپ کے کلام کی دیوانی ہوں کچھ مرحمت فرمائیں۔

داغ: میں تم کو فقط دیکھنا چاہتا ہوں۔ تم سامنے ہوتی ہو تو دِل کو عجیب سکوں حاصل ہوتا

ہے۔تمہاری آنکھیں قیامت تمہاری زلف قیامت، تمہاری جتّی بھوؤں کی یہ لکیریں۔ یہ صراحی دار گردن۔ قیامت۔ قیامت۔ قیامت۔ تمہارے اِس حسین ہونٹ کے اوپر یہ تِل کتنا دلکش ہے۔ مجھے تو لگتا ہے کہ یہاں پر علامت کے طور پر میں کھڑا ہوں۔ دربان بن کر۔ کیوں کہ میں داغؔ ہوں۔

حجاب: آپ کی باتوں میں بھی جادو ہے آپ کی شاعری کی طرح میں موم کی گڑیا ہوں آپ کی میٹھی میٹھی باتوں سے پگھل جاؤں گی۔ خُدا راہ اب اپنی شاعری کے جام پلا دیجیے۔

داغ: قیامت کب اِس قد کی ثانی نہیں ہے
جوانی جوانی نہیں ہے
بہاتا ہے بے خوف تو اِس کو قاتل
لہو ہے یہ عاشق کا پانی نہیں ہے

حجاب: واہ۔ واہ۔ واہ (مدہوشی میں)

داغ: اِقرار کیا ہے لبِ شیریں سے کسی نے
جو بات مزے کی ہو وہ کیونکر نہ مزا دے

حجاب: واہ ۔ واہ ۔ واہ (مدہوشی میں)

موسیقی (طبلے کی تھاپ اور گنگروں کی کھنک ایک ساتھ)

☆

3

حجاب: کل میلے کی آخری رات تھی۔ شبِ جشن یعنی میلے کا اختتام خوب رہا۔ رات بھر مشغول رہی۔ تھر کتے تھِر کتے پیروں میں سوجن آ گئی سارا بدن دُکھ رہا ہے۔

داغ: یہ سوجن اِن خوبصورت اور حِنائی پیروں میں نہیں آ گئی بلکہ ہمارے دِل کی بستی غبارے کی طرح پھول گئی ہے۔ تمہارے تلووں میں ہمارا دل بندھا ہوا ہے اپنے پیروں کا نہیں کم از کم ہمارے دِل پر ترس کھایا کرو۔ اپنے پیروں سے زیادہ کام مت لیا کرو۔

حجاب: حضور، کنیز مجبور ہے کنیز کا پیشہ ناچ گانا ہے۔

داغ: جو بھی ہو اپنے آپ کا خیال رکھا کرو۔ یہ جشن یہ میلے منعقد ہوتے رہے ہیں۔ اور ہوتے رہے گے۔ پنکھے کا جلوس میلے کے آخری روز دھوم سے نکلتا آیا ہے اور نکلتا رہے گا۔ فوجی ٹھاٹ سے شُتر سوار، پیدل، نوبت نقارہ کے ساتھ ہاتھی پر جڑاؤ پنکھا لغت وصلواۃ کی گونج میں با قاعدہ جلوس کے ساتھ لیجایا جاتا ہے۔ اور لیجایا جاتا رہے گا۔ اور تماشائی دوطرفہ صف باندھے مودّب کھڑے رہے ہیں اور آئندہ بھی رہے گے۔ لیکن تم اپنے آپ کا خیال رکھا کرو۔ ہماری یہی گذارش ہے۔

حجاب: کل میں وطن واپس لوٹ رہی ہوں

داغ: گریزاں ہے مقامِ امن سائے سے میرے کوسوں
کہ پیچھے پیچھے میں ہوں میرے آگے آگے منزل ہے۔

حجاب: وطن لوٹنا میری مجبوری ہے چاہت نہیں

داغ: جو بھی ہو تمہارا ہجر ہم برداشت نہ کر سکے گے

حجاب: اِس کے سوا کوئی چارہ بھی تو نہیں۔

داغ: جانتے ہیں۔

حجاب: پھر یہ ماجرا کیا ہے؟

داغ: یہ ہمارا جنون ہے ہماری دیوانگی ہے۔

راوی:

مجھ سے کہنے لگے سُنو صاحب!
اس قدر مضطرب نہ ہو صاحب
صبر کا پھل ضرور پاؤ گے!
اِس کی راحت بہت اُٹھاؤ گے!
اب تو اپنے وطن کو جائیں گے
آؤ گے بھی ؟ اگر بُلائیں گے
صبح کو وہ اِدھر سوار ہوئے
ہم اجل کے امیدوار ہوئے

(موسیقی کے بغیر)

4

راوی:

اِدھر حجاب کلکتہ، روانہ ہوگئیں اُدھر داغؔ کو ہجر کے دورے پڑنے لگے۔ خط و کتابت دِل کو راحت پہنچانے کا واحد راستہ تھا داغؔ کی قسمت سے کلکتہ میں بھی حجاب کو بھڑکانے والے پیدا ہوگئے۔ اُنہوں نے شہ دی کہ داغؔ کو کلکتہ بُلایا جائے۔ چنانچہ حجاب نے داغؔ پر دباؤ ڈالا کہ وہ کلکتہ آجائے۔

رسم اُلفت نبھاتے ہو اگر
جان کی خیر چاہتے ہو اگر
اُٹھ کے سیدھے اِدھر چلے آؤ
کوئی رو کے مگر چلے آؤ
ریل میں اتنی دُور آنا کیا
کارِ سرکار کا بہانا کیا

راوی: اِس طرح مجبوراً داغؔ نے سرکار سے رُخصت لی اور رامپور سے کلکتہ کے لئے روانہ ہوئے، دہلی میں کچھ دن قیام کے بعد لکھنؤ پہنچے۔ لکھنؤ سے ہوتے ہوتے ریل کے ذریعے عظیم آباد پہنچے۔ داغؔ چونکہ عظیم آباد میں بہت مقبول تھے۔ اسلئے لوگ جوک درجوک اسٹیشن پہنچے۔ بہت سے رئیس چاہتے تھے کہ داغؔ اُن کے یہاں ٹھہرے۔

لیکن (ریل کی سیٹی کی گونج)

داغ نے اپنے اخیافی بھائی مرزا شاغل کے کہنے پر میر محمد باقر کے مکان میں قیام کیا۔

☆
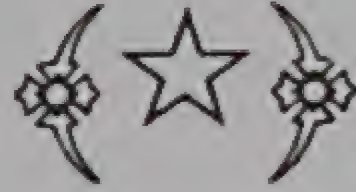
5

(ریل کے چلنے کی آواز نزدیک تر آرہی ہے سیٹی کے ساتھ۔ اب ریل آہستہ، آہستہ رُکتی جارہی ہے۔ بہت سی آوازیں ایک ساتھ۔ شوروغل۔

کچھ آوازیں: "چائے گرم" "چائے گرم" ناریل، ناریل، وغیرہ جس سے اسٹیشن کا ماحول پیدا کیا جا سکے)

(شوروغل پسِ منظر میں جاتا ہوا)

داغ: ارے بھائی یہ مرزا شاغل نظر نہیں آرہے ہیں، ریلوے اسٹیشن تو کافی بڑا ہے، عالیشان بھی، کہاں ڈھونڈ واِسے (اندر ہی اندر)

مرزا شاغل: نواب مرزا! کہاں کھوئے ہوئے ہو؟ پلٹ کے دیکھو بھائی

داغ: ارے بھائی۔ ہم تو پریشان ہورہے تھے

مرزا شاغل: پہلے گلے تو مِل لے۔

داغ: چلئے گلے لگائیے

مرزا شاغل: نواب! آپ خوامخواہ پریشان ہورہے تھے۔ یہ دیکھئے کتنے لوگ آپ کا استقبال کرنے کیلئے آئے ہیں۔ آپ سے پہلے آپ کی شہریت یہاں پہنچ چکی ہے۔ شہر کے بہت سارے رئیس آپ کو اپنے یہاں رکھنا چاہتے ہیں۔ سبھی سواریاں لیکر آئے ہیں۔

ایک رئیس: نواب فصیح الملک بہادر مرزا داغ دہلوی کی خدمت میں ہم آداب عرض کرتے ہیں۔

داغ: آداب

مرزا شاغل: میرزا داغ یہ نواب رئیس الدین حیدر ہیں۔ عظیم آباد کے مشہور و معروف تاجر۔

ایک رئیس: چلئے داغ صاحب ہم نے سواری ساتھ لائی ہے آپ ہمارے دولت خانے تشریف لے آئیں۔ جتنے دن آپ عظیم آباد میں ٹھہریں گے آپ ہمارے مہمان......"

دوسرا رئیس: ارے رئیس الدین حیدر صاحب کیا کر رہے ہیں آپ۔ آپ اپنی دولت کا سہارہ لیکر اتنے بڑے شاعر کو اپنے یہاں ٹھہرا نہیں سکتے۔ میں آپ سے زیادہ امیر ہوں سارا شہر جانتا ہے۔ حضرتِ داغ اگر کہیں رہے گے تو ہمارے یہاں رہے گے۔

ایک دو آوازیں: نہیں نہیں حضرت ہمارے یہاں ٹھہریں گے۔

مرزا شاغل: بھائیو، بھائیو۔ خاموش ہو جائیں۔ میرزا داغ میرے اخیافی بھائی ہیں۔ وہ فقط ہمارے یہاں رہے گے۔ میں انہیں اپنے ساتھ لئے جا رہا ہوں۔ جب تک یہ عظیم آباد میں رہیں گے۔ آپ حضرات ملاقات کے لئے آسکتے ہیں۔

راوی:

پیشوائی کے واسطے احباب
آئے تھے شوق دید میں بیتاب
بہت اشخاص یک بیک آئے
اپنی سواریاں لائے
مجھ کو یہ فکر تھی کہ بھیڑ چھٹے
میرزا شاغل آئے جب وہ ہٹے

(موسیقی بالکل نہیں)

☆

6

مرزا شاغل: نواب میرزا۔ میر باقر میرے سب سے عزیز دوست ہیں۔ میرے محلہ دار بھی ہیں اور میرے ہمدم بھی۔ قدیم خاندانی بزرگ بھی ہیں شاعر بھی ہیں اور شطرنج کے اچھے کھلاڑی بھی۔ یہ انہی کا مکان ہے جس میں آپ کے ٹھہرنے کا انتظام کیا چکا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ میرے مکان میں اتنی جگہ نہیں؟ کہ بہت سارے لوگوں کا استقبال کیا جائے۔

داغ: میر باقر صاحب! آپ کی شخصیت اور آپ کی مہمانوازی کا میں قائل ہو گیا۔

میر باقر: نواب میرزا داغ دہلوی صاحب یہ ہماری خوش بختی ہے کہ آپ نے ہماری مہمان نوازی قبول کی۔ ورنہ سارا شہر آپ کو مہمان بنانے کے لئے بضد ہیں۔

داغ: ذرّہ نوازی کا شکریہ

میر باقر: نواب میرزا آپ کے لئے نہانے کا انتظام ہو چکا ہے آپ پہلے نہا لیجئے اور پھر......"

(دروازے پر دستک)

میر باقر: ہاں! حبیب میاں۔ اندر آ جاؤ

حبیب: اسلام علیکم

داغ: وعلیکم اسلام

میر باقر: یہ ہمارا ملازم ہے حبیب -کیابات ہے حبیب میاں

حبیب: حضور۔ محلّہ مغلپور کے ایک مشہور رئیس مہمان سے ملنا چاہئے ہیں۔

میر باقر: میرزا داؔغ۔اگر آپ چاہئے تو میں انہیں کل آنے کے لئے کہلوادوں گا۔

داغ: نہیں باقر صاحب ۔کوئی محبت سے ملنے آئے اِسے اگر ٹھکرا دیں گے تو گنہگار ہو جائیں گے۔آنے دیجے۔

میر باقر: اِنہیں یہاں لے آوَ۔

(دروازے پر تھوڑی دیر کے بعد دستک)

میر باقر: اندر آیئے۔۔۔۔

مہشور رئیس: اسلام علیکم

داغ رمیرزا شاغل: وعلیکم السلام

داغ: اِدھر اِدھر آیئے۔ ہمارے روبرو بیٹھ جائیں۔ اِس تکیہ کے ساتھ ٹیک لگا کے بیٹھ جائیں۔

مشہور رئیس:شکریہ۔ داؔغ دہلوی صاحب، میں آپ کی شاعری کا دلدادہ ہوں۔محلّہ مغلپور کا ایک چھوٹا موٹا رئیس ہوں۔

داغ: ذرہ نوازی کا شکریہ

مشہور رئیس: میں نے سُنا کہ آپ آج تشریف لے آئیں ہیں۔ویسے بھی سارا شہر آپ کی آمد کا منتظر تھا۔آج ہمارے گھر پر ایک مشاعرہ منعقد ہو رہا ہے۔ میں آپ کو خود دعوت دینے کے لئے چلا آیا۔اگر آپ مشاعرے میں شرکت کریں تو ہماری حوصلہ افزائی ہوگی۔

میرزا شاغل: نواب صاحب! یہ ابھی پہنچے ہیں۔ ریل کا سفر انسان کو بہت تھکا دیتا ہے۔ یہ کیسے۔۔۔۔۔۔"

داغ: نہیں میرزا شاغل اِنہیں مت روکئے۔ یہ اُمید لے کر آئیں ہیں ہم انہیں نا اُمید نہیں کریں ہم ضرور چلے گے"

مشہور رئیس: حضرت! مشاعرہ طرحی ہے

داغ: آپ کا دولت خانہ یہاں سے کتنا دُور ہے میرا مطلب یہ ہے کہ وہاں تک پہنچنے میں کتنا وقت لگے گا۔

مشہور رئیس: حضرت یہی کوئی آدھا گھنٹہ

داغ: تو پھر میں آپ کے ساتھ چلوں گا۔ آدھے گھنٹے میں، ہم پچاس، ساٹھ شعر موزوں کر سکتے ہیں۔ آپ طرحی۔ مصرع سنائیں۔

مشہور رئیس:" آباد کبھی خانہ ویراں نہیں دیکھا "

(تھوڑی سی موسیقی ۔یا راگنی)

☆

7

(بگھی کے چلنے کی آواز)

(آواز پسِ منظر میں حاتی ہوئی)

داغ: آباد کبھی خانہ ویراں نہیں دیکھا۔

(اندر ہی اندر پڑھتے ہوئے)

اِس خانہ دل ------۔ کو کبھی ----۔ ویراں نہیں دیکھا

اِس خانہ دل ------۔ کو کبھی ----۔ ویراں نہیں دیکھا

(غزل کی آمد)

ہاں۔ بن گیا مطلع:

اِس بت کو کب ---۔ اللہ کا ------۔ مہماں نہیں دیکھا

ہاں - یہ ٹھیک ہے۔

اِس خانہ دل کو کبھی ویراں نہیں دیکھا

اِس بُت کو کب اللہ کا مہماں نہیں دیکھا

(بگھی کے چلنے کی آواز پسِ منظر میں)

مشہور رئیس: میرزا داغ دہلوی صاحب! وہ ۔ وہ ۔رہی ہماری کوٹھی جہاں پر یہ بھیڑ جمع

ہے سب لوگ آپ کے منتظر ہیں

(آہستہ آہستہ بگھی کے رُکنے کی آواز)

(ہلکی سی موسیقی)

☆

8

(شور وغل ۔ بہت ساری ۔ آوازیں ایک ساتھ)

مشاعرہ

بہت سی آوازیں: واہ ۔ واہ ۔ واہ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔"

ناظم: ابھی آپ عظیم آباد کے بزرگ شاعر سے اُن کا پر مغز کلام سُن رہے تھے۔اب میں اِس مشاعرے کے آخری شاعر جو آج ہی رامپور سے تشریف لائے ہیں کو دعوتِ سخن دے رہا ہوں۔ ہندوستان کے مشہور شاعر حضرت داغؔ دہلوی۔ کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ اِن کا کلام بازارِ محبت میں ہی نہیں بلکہ بادشاہوں اور رئیسوں کے محلوں میں بھی گونج رہا ہے۔ یہ بھیڑ جو آج یہاں اُمڈ آئی ہے فقط حضرت داغؔ دہلوی کی وجہ سے اُمڈ آئی ہے۔اب میں اِن سے نہایت احترام کے ساتھ گذارش کرتا ہوں کہ وہ اِس طرحی مشاعرے میں اپنے کلام سے حاضرین کو محظوظ فرمائیں۔

داغ: حاضرین! اِس عنایت اور محبت کا شکریہ۔ میں ابھی واردِ عظیم آباد ہوا ہوں۔نواب صاحب نے یہاں اِس مشاعرے میں چلنے کا حکم کیا میں نے بجالایا۔ چونکہ مشاعرہ طرحی ہے اس لئے بیس پچیس شعر سواری میں بیٹھ کر موزون کئے مطلع ہے۔

اِس خانہ دل کو کبھی ویراں نہیں دیکھا (2 بار)

اس بُت کو کب اللہ کا مہماں نہیں دیکھا

(واہ ۔ واہ ۔ کے نعروں کی گونج)

☆

9

راوی:

مجھ کو فرصت نہ ملی یاروں سے
روز ملتا تھا میں ہزاروں سے
ایسی خلقت کہیں نہیں دیکھی
یہ مروت کہیں نہیں دیکھی
کیسی مہماں نوازیاں دیکھیں
کس قدر جان نوازیاں دیکھیں
اُن کے اخلاق یاد ہیں مجھ کو
اُن کے اشفاق یاد ہیں مجھ کو
دیں وہ مہماں کو جس قدر چاہیں
بخش دیں گھر کا گھر اگر چاہیں
میر باقر کے گھر میں قیام ہوا
خوب دعوت کا اہتمام ہوا

(بجلیاں اور بادل گرجنے کا شور)

داغؔ: (شور پسِ منظر میں)

کوئی چھینٹا پڑے تو داغؔ کلکتے چلا جائیں
عظیم آباد میں ہم منتظر ساون کے بیٹھے ہیں

(بارش اور بادل گرجنے کی آوازیں ایک ساتھ)

داغؔ: شُکر ہے مون سون شروع ہو گیا۔ زمیں کی پیاس بُجھ گئی ساتھ میں ہمیں گرمی سے چھٹکارا مِلا

(بارش اور گرج پسِ منظر میں)

میر باقرؔ: ٹھنڈی ٹھنڈی ہواؤں نے زندگی کی تپش کو جیسے سرد کر دیا۔ لگتا ہے کہ جنّت کا کوئی دریچہ کُھل گیا اور ہواؤں نے عظیم آباد کا رُخ کیا۔

میرزا شاغل: (اندر کی سانس باہر چھوڑتے ہوئے) ہاں۔ بہت راحت اور سکون آ گیا ہے۔ دل کو بھی اور رُوح کو بھی۔ گرمی کی تپش نے زندگی کو بے معنی بنا رکھا تھا۔

داغؔ: اب ہمیں اجازت دیں ہم کلکتہ کا رختِ سفر باندھنا چاہتے ہیں۔

میر باقرؔ: کیوں حضرت عظیم آباد سے جی اُچٹنے لگا ہے

میرزا شاغل: ہماری مہماں نوازی میں کوئی کمی رہ گئی کیا؟

داغ: نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔ عظیم آباد کی مہماں نوازیاں ہمیں عمر بھر یاد رہے گیں۔ آپ لوگوں کی مروّت، اشفاق اور اخلاق نے ہمیں جیت لیا۔

میر باقرؔ: پھر کیا وجہ ہے آپ یہاں سے اتنی جلدی جانا چاہتے ہیں؟

داغؔ: ڈیڑھ مہینہ گذر گیا آپ کے اِس دولت خانے پر ڈھیرا ڈالے ہوئے

میر باقرؔ: اگر آپ عمر بھر بھی یہاں ہمارے مہماں رہے گے ہمیں اور زیادہ خوشی ہوگی۔

داغ: دراصل ہم نے سرکار سے گذارش کی تھی کہ مزید دو ماہ کی رُخصت سے ہمیں نواز دیں لیکن فقط ایک ماہ کی توسیع ممکن ہوئی۔ اِس لئے۔۔۔۔"

میرزا شاغل: اگراور چند روز رُکتے تو۔۔۔۔۔"

داغ: نہیں میرزا اب ہمیں مت روکئے۔ہم کل ہی جانا چاہتے ہیں۔

میر باقر: آپ سے گذارش ہیں کہ ہمیں بھول مت جایئے گا۔ ہمیں اپنی دُعاؤں میں یاد رکھئے گا۔

داغ: میرے بزرگ میر باقر صاحب! ہم آپ کو کبھی بھول نہیں سکتے۔اگر دُنیا ہمیں کل یاد کرے گی تو آپ کی یاد بھی تازہ ہوگی۔عظیم آباد میں ہم تقریباً ڈیڑھ ماہ تک رہے۔ ہزاروں لوگوں سے ملے۔روز آپ کے اِس دولت خانے پر سینکڑوں لوگ ہم سے ملنے آیا کرتے تھے۔روز یہاں دعوتیں اور محفلیں سجتی تھیں۔کوئی بے مروت ہی اتنی عنایات اور محبتوں کو فراموش کرسکتا ہے۔

(ریل کی سیٹی اور ریل کے چلنے کی آوازیں)

(ریل کی آواز پسِ منظر میں)

راوی:

سوئے کلکتہ میں روانہ ہوا
دُور تک ساتھ اک زمانہ ہوا
شوق بے اختیار لے ہی گیا
یہ دلِ بیقرار لے ہی گیا
آئی ایسی ہوائے کلکتہ

دلِ پکارا کہ ہائے کلکتہ
ریل پر دوستانِ نیک خصال
آئے اکثر برائے استقبال
شہر میں دھوم تھی کہ داغؔ آیا
داغؔ آیا تو باغ باغ آیا!

(ریل آہستہ آہستہ رُک جاتی ہے شور اور آوازیں پسِ منظر میں)

دیکھ کر شہر کھل گئیں آنکھیں
ماہ رویوں پہ ڈھل گئیں آنکھیں
سر بازار وہ مکان بُلند
جس کو کہیئے اک آسمان بُلند

(شور پسِ منظر میں)

سامنے ناخُدا کی مسجد تھی
ناخُدا کیا ؟ خُدا کی مسجد تھی!
مظہرِ نور ہے یہی مسجد
بیت معمور ہے یہی مسجد

"اللہ اکبر ۔ اللہ اکبر ------"

(اذان خوبصورت آواز میں قرات کے ساتھ)

10

("اللہ اکبر اللہ اکبر"..........اذان خوبصورت آواز میں)

داغ: آپ جیسے مُحبانِ داغ کی وجہ سے کلکتے میں ہماری کافی قدر دانیاں کی گئیں۔
عبدالرزاق شادؔ صاحب ہم آپ کے کچھ زیادہ ہی ممنوں ہیں ہمارے ٹھہرنے کا
انتظام مسجدِ ناخُدا کے قریب ہے۔ ہزاروں لوگ یہاں ہم سے ملنے چلے آئیں۔
اہلِ کلکتہ کا ذوق دیکھ کر ہم مدہوش ہوئے

عبدالرزاق: حضرت داغؔ دہلوی صاحب! یہ اہلیانِ کلکتہ کی خوش بختی ہیں کہ آپ کے قدم اِس
سرزمیں پر پڑیں۔کلکتہ کے لوگ ہنر کے قدرداں ہیں اور خود بھی باہُنر ہیں۔

داغ: اِس بات کا اندازہ ہمیں ہو چکا ہیں۔ یہاں آ کر ہم نے سینکڑوں محفلوں میں شرکت
کی ہیں۔لوگ دن بھر ہم سے ملنے آتے ہیں۔

عبدالرزاق: ہم نے سُنا ہے کہ ایک مشاعرہ یہاں آپ کے ڈیرے پر بھی منعقد کیا گیا۔اور
اُس میں سرکاری عہدے دار بھی شریک ہوئے تھے۔

داغ: ہم نے بہت کہا تھا کہ یہاں مشاعرہ مت کیجئے لیکن لوگوں نے مانا نہیں یہاں بھی
ایک مشاعرہ منعقد کیا گیا۔ یہ لوگوں کا خُلوص ہے۔

عبدالرزاق شادؔ: آپ لوگوں سے دن بھر ملتے ہیں۔ لوگ اپنی شاعری سُناتے ہیں۔اصلاح

کرواتے ہیں۔آپ کو شعر سُنانے کی فرمائش کرتے ہیں۔آپ ہیں کہ ہر کسی کی سُنتے ہیں ہر کسی کی آرزو پوری کرتے ہیں۔آپ کی طبیعت اُکتا تونہیں جاتی۔

داغ: اللہ جب حُسن دیتا ہے تو نزاکت آہی جاتی ہے۔

اللہ جب کسی کو اسکی ہُنر سے نوازتا ہے تو اُسے صبر ورضا بھی عطا کرتا ہے۔

عبدالرزاق: یہ آپ کی بڑائی ہے۔آپ کی عظمت ہے۔

داغ: یہ آپ کی اپنی نظر ہے دراصل بڑائی اور عظمت آپ دل میں ہے۔

عبدالرزاق: مجھے آپ سے ایک التماس ہے ایک گذارش ہے!

داغ: آپ کہیں تو صحیح ؟

عبدالرزاق: ہم ؛ نے اپنے دولت خانے پر آج ایک طرحی مشاعرے کا اہتمام رکھا ہے ہم چاہتے ہیں کہ آپ اِس میں صدر کے طور پر شرکت کریں۔

داغ: ہم آپ کے ساتھ ضرور چلیں گے۔لیکن ہمیں آدھے گھنٹے تک اپنے دولت خانے کے کسی تاریک کمرے میں ٹھہرنے کی اجازت دیں۔تاکہ ہم طرحی غزل کہہ سکیں۔

موسیقی (طبلے کی تھاپ اور راگنی)

❀☆❀

11

داغ: کبھی ہے اِس کی چوکھٹ پر کبھی ہے اس کے قدموں پر
ازل سے میری پیشانی بڑی تقدیر والی ہے
بچا تھا برق و صرصر سے بمشکل آشیاں اپنا
نظر صیاد کی اب پتے پتے ڈالی ڈالی ہے

حجاب: خوب بہت خوب

داغ: کلکتہ آئے ہوئے پندرہ دن ہو گئے ہیں پتہ ہی نہیں چلا کیسے گذر گئے۔ ہزاروں لوگوں سے دوستی ہو گئی ہر روز سینکڑوں لوگ ہم سے ملنے چلے آتے ہیں۔ لیکن جو لمحے تمہارے ساتھ گذرتے ہیں وہی اِس سفر کا حاصل ہے۔

حجاب: یہ لمحے قرب کے لمحے ہیں اور یہ لمحے ہماری زندگی کا حاصل ہیں۔ ہم بھی آپ پر جان و دل نثار کرتے ہیں۔

داغ: ذرہ نوازی کا شکریہ

حجاب: لیکن حضور ہمیں کیسے یقین آئے گا کہ آپ عاشق صادق ہیں۔

داغ: ہماری عاشقی کا شاہد ہمارا کلام ہے۔ کبھی غور سے ہمارے کلام پر توجہ کرو سمجھ میں آئے گا کہ داغ تمہیں کتنا چاہتے ہیں۔

حجاب: کلام سے یہ بھی ظاہر ہے کہ آپ ایک عاشق مزاج شخص ہے جہاں حُسن دیکھا وہاں

منڈلاتے رہتے ہیں۔

داغ: واللہ ہم فقط تمہارے ہیں اور تمہارے ہی رہیں گے۔

جب ان کا امتحان کیجئے تو مٹھی میں نیا دل ہے
الٰہی کیا حسینوں کو بھی دستِ غیب حاصل ہے

حجاب: خوب ۔ بہت خوب

داغ: ہماری محبت کا اِس بڑھ کر کیا ثبوت ہوگا کہ ہم تمہارے لئے رامپور سے یہاں تمہارے شہر کلکتہ چلے آئے ورنہ ہمارے دل بہلانے کے اور بھی ذریعے ہیں ہم گانا سُننے کا شوق رکھتے ہیں کئی طوائفیں ہمارے گھر آکر ہمارا یہ شوق پورا کردیتی ہیں۔

حجاب: آپ نے مجھے رامپور بُلا لیا میں چلی آئی۔اب میں نے آپ کو کلکتہ بُلا لیا۔آپ چلے آئیں۔اس میں بُرا ہی کیا ہے۔

داغ: یہی کہ ہمارے دُشمن یہاں بھی پیدا ہوگئے۔

حجاب: دُشمن ۔کون سے دُشمن؟

داغ: اگر رقیب کہیں تو شاید تم سمجھ سکتی ہو۔

حجاب: ہاہاہا ۔۔ رقیب ۔ ۔ ہاہاہا ۔وہ رقیب نہیں آپ کے۔بلکہ میرے خریدار ہیں کیوں کہ میں اپنی ادائیں اور نخرے بیچتی ہوں

داغ: وہ خریدار ہی سہی لیکن تمہاری اداؤں سے پیار کرتے ہیں اور ہم بھی آپ کی ہر ادا سے گھائل ہیں اِس لئے وہ ہمارے رقیب ہی ہوئے نا۔

حجاب: آپ سے کون جیت سکتا ہے؟ آپ لفظوں کے جادوگر ہیں۔

داغ: تم کچھ بھی کہو لیکن تمہیں ہمارے رقیبوں نے بہکایا ہے۔ اسی لئے تم نے ہمارا امتحان کیا اور ہمیں یہاں بلایا۔

(موسیقی) گنگرو کی جھنکار کے ساتھ

☆

12

راوی:

کالی کالی گھٹائیں آتی تھیں
ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں آتی تھیں
آتشِ حسن یار کی گرمی
بزم میں اک بہار کی گرمی
چاندنی کے تمام شب جلے
دلکشا سقف پر عجب جلے
یاد ہے ایک رشک گُل کی سیر
چودھویں رات کو وہ پُل کی سیر

(آوازیں ۔ شور ۔بھگی کے چلنے کی آوازیں۔ بازار کا ماحول)

داغؔ: حجاب!
اِس چاندنی رات میں تم ہمیں کہاں لئے جا رہی ہو اور وہ بھی پیدل

حجاب: آج میں آپ کو ایک عجوبہ دکھاؤں گی

داغؔ: عجوبہ؟

حجاب: ہاں عجوبہ ۔ہم عجوبے کے قریب پہنچ رہے ہیں

داغ: مجھے کوئی عجوبہ دِکھائی نہیں دے رہا ہے۔

حجاب: وہ گہرا اور رواں دریا نظر نہیں آ رہا ہے۔

داغ: ہاں! اب دیکھ رہا ہوں۔ لیکن عجوبہ کہاں ہے

حجاب: وہ! وہ پُل دیکھ رہے ہیں آپ؟ جو اِس دریا کے اُوپر سے گزرتا ہے۔

داغ: کہاں ہے؟

حجاب: وہ! آپ کے داہنی طرف

داغ: ہاں دیکھ رہا ہوں۔ واہ! کیا پُل ہے۔ سچ مچ یہ معجزہ ہے۔ لگتا ہے کہ انگریزوں نے بنایا ہے؟

حجاب: ہاں۔ انگریزوں کی ہی دین ہے۔

داغ: اب ہم پُل کے اُوپر سے گزر رہے ہیں، واہ۔ یہاں سے کتنا خوبصورت شہرِ کلکتہ دِکھائی دیتا ہے۔ دُور دُور تک روشنیاں ہی روشنیاں ہیں یہ پُل تو پورا لوہے کا ہے۔

(پسِ منظر میں آوازوں اور شور کا سنگم جاری)

حجاب: نیچے دیکھیے۔ پانی کی طرف۔ یہ پانی کس طرح بہتا جا رہا ہے وقت کی طرح۔ ہے نا؟

داغ: بالکل۔ یہ پانی سمندر میں جا گرتا ہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ لوگ بھی اِسی طرح زندگی کی راہوں پر گزرتے جا رہے ہیں اور اپنی منزل کے سمندر میں جا گرتے ہیں۔ اور پھر اِن کا اپنا وجود ختم ہو جاتا ہے۔

حجاب: میرے حضور۔ کبھی کبھی مجھے لگتا ہے کہ میں منزل تک نہیں پہنچ پاؤں گی۔ منزل تک پہنچنے کا ہر راستہ ختم ہو جاتا ہے پیچھے جاؤں تو اندھیرا آگے جاؤں تو ایک گہرا دریا

لیکن کبھی کبھی لگتا ہے کہ آپ کو اللہ نے میرے سامنے اِس بے ستون پُل کی طرح کھڑا کیا ہے تا کہ میں زندگی کا گہرا دریا پار کر سکوں۔

داغ: حجاب! ہم نے جو مزید دو ماہ کی رُخصت کے لئے درخواست بھیجی تھی سنا! وہ پہلے ہی نامنظور ہوئی تھی۔

حجاب: جی ہاں۔

داغ: حضور نے فقط ایک ماہ کی توصیح کی تھی۔ جو پانچ جولائی 1882ء کو ختم ہونے والی ہے۔ حضور نے پیغام بھیجا ہے کہ 5 جولائی سے پہلے چلے آوَ۔

حجاب: ہائے اللہ ۔ یہ غضب ہوا ۔ قہر ہوا ۔ اب کیا ہوگا؟

داغ: آج دو جولائی ہے ہمیں کل کسی بھی صورت میں روانہ ہونا پڑے گا۔

حجاب: اور کوئی صورت نہیں ہے؟

داغ: ہمین تو ہر طرف اندھیرا نظر آرہا ہے۔ کارِ سرکار ہے۔ ہمیں اِسے چلانا ہی ہوگا۔

حجاب: یا اللہ ۔ کوئی صورت نکال دے۔

داغ: اب کوئی صورت ہمیں نظر نہیں آرہی ہے۔

حجاب: اگر میرے ساتھ یہاں اور لوگ وابستہ نہیں ہوتے تو میں آپ کے ساتھ ہی چل دیتی۔

داغ: مجھے اِس بات کا احساس ہے ورنہ۔۔۔۔۔۔۔"

حجاب: اُوپر سے آپ بھی تنہا نہیں ہیں۔

داغ: پھر بھی ہم تمہیں رامپور لے جاتے۔ کہیں نہ کہیں تمہارے ٹھہرنے کا انتظام بھی ہو جاتا۔

حجاب: اب مجھے آپ کی یاد حد درجہ ستائے گی۔

(تھوڑا سا روتے ہوئے)

داغؔ: حجاب! یہ کیا تمہاری آنکھوں میں آنسو!

حجاب: میں کوئی پتھر کا مجسمہ نہیں۔ میرے سینے میں بھی دل ہے۔

داغؔ: اب یہ آنسو! پونچھ ڈالو اور مجھے خوشی خوشی اجازت دیدو۔ ورنہ میرے قدم بہک جائیں گے ۔اور داغؔ کے جسدِ خاکی کو تمہارے وطن کی مٹی میں ہی گاڑ دیا جائیگا۔

حجاب: نہیں میرے سرتاج۔ آپ کو میں آنسوؤں کی زبان میں الوداع نہیں کہوں گی۔ بلکہ ہونٹوں کی سُرخی سے آپ کے رُخسار پر رُخصت لکھوں گی۔

راوی:

میری رخصت سے اُن کو حیرت تھی
کہ یہ رخصت نہ تھی قیامت تھی
اشک آنکھوں میں ڈبڈباتے ہوئے
پاس بیٹھے۔ تو مُنہ بناتے ہوئے
وہ جو گھبرائے میری اُف اُف سے
تو یہ کہنے لگے تاسف سے
چند وابستہ ہیں ہمارے ساتھ
ورنہ ہو لیتے ہم تمہارے ساتھ
اہل ِ صحبت کو داغ دے کے چلے

اپنے دل کا جنازہ لے کے چلے
ریل نے دو ہی دن میں پہنچایا
رمضان ایک دن کے بعد آیا
دست بستہ حضور میں پہنچا
بزمِ عشق و سرور میں پہنچا

اختتام قسط2

☆

قسط (3)

(تمثیل داغ)

۲۔اختر جان (ایک طوائف رداغ کی ملازمہ) 20 سال

۳۔ حجاب 40 سال

۴۔ افتخار عالم (داغ کا ایک شاگرد) 35 سال

۵۔ امیری (داغ کی ایک نوعمر طوائف) 18 سال

۶۔ صاحب جان 18 سال

۷۔لاڈلی بیگم (داغ کی آغوشی بیٹی) 30 سال

۸۔ سائیل دہلوی (لاڈلی بیگم کا خاوند) 35 سال

۹۔ نواب حسن علی خان (داغ کا ایک مہربان دوست) 70 سال

۱۰۔راوی۔

1

راوی:

رامپور پہنچنے کے بعد داغؔ دہلوی آتشِ فراق میں جلتے رہے حجاب کی یاد از حد ستانے لگی ہے۔

یا الٰہی نجات غم سے ملے
وہ سراپا حجاب ہم سے ملے
ورنہ اِس کا خیال بھی نہ رہے
اب ہے جیسا یہ حال بھی نہ رہے

اِس فراق کے عالم میں داغؔ نے ۸۳۸ اشعار پر مبنی ایک مثنوی "فریادِ داغ" کے عنوان سے کہی۔ یہ لاجواب مثنوی ۱۸۸۲ء مین کہی گئی اور ۱۸۸۳ء میں چھپی۔ پھر بار بار چھپتی رہی۔ اپنے زمانے مین اس مثنوی نے دھوم مچادی۔ یہ مثنوی حجاب اور داغؔ کی محبت کے پسِ منظر میں کہی گئی ہے۔ اِس ملاقات کے بعد داغ کی کوششوں کے باوجود بھی حجاب سے اُن کی کوئی ملاقات ۲۱ سال تک نہ ہوسکی۔ اِدھر داغؔ کو رامپور چھوڑنا پڑا کیوں کہ مارچ ۱۸۸۷ء مٰیں والئی رامپور نواب کلب علی خان نے انتقال کیا پھر داغؔ کو حیدر آباد میں مستقل طور پر رہنا پڑا۔ ذاتی پریشانیوں میں اسقدر

اُلجھ گئے اور حجاب کو تقریباً بھول گئے۔

اُدھر حجاب کسی مولوی آلِ احمد کی پابند ہو گئیں اور بالکل اللہ والی ہو گئیں۔

(اب داغؔ کی عمر 70 برس کی ہے)

(ایک مُجرا۔پُرانے کلام پر مبنی۔ داغ کے زمانے کا یا اِس سے پہلے کا)

داغؔ: واہ! اختر جان ۔ واہ ۔ (مجرے کے اختتام کے پر،آواز سے بڑھاپا چھلکتا ہے)

اختر جان: شکریہ حضور

داغؔ: آج مہینے کا آخری دن ہے۔ یہ لو تمہاری تنخواہ

اختر جان: شکریہ

داغؔ: ہم تمہیں سو روپیہ ماہانہ دیتے ہیں تمہارا کام فقط ہمیں مجرے سُنانا ہے۔

اختر جان: حضور یہ ہمارا پیشہ ہے۔آپ کے لئے عیش کا باعث ہو سکتا ہے۔

داغؔ: نہیں اختر جان۔ ہم یہ گانا فقط دل بہلانے کیلئے نہیں سُنتے ہیں بلکہ ہم تمہارے فن کی داد بھی دیتے ہیں۔ یہ ناچ گانا ہماری خصلتوں میں شامل ہیں۔بچپن قلعے میں گزرا ہے سمجھو ہماری پرورش ناچ گانے نے ہی کی ہے اور ہمیں حوصلہ دیا ہے شاعری نے۔ہم موسیقی کے دلدادہ ہیں خود بھی ایک دو راگ ایجاد کی ہیں۔

اختر جان: سُنا ہے حضور حجاب کو اب تک نہیں بھولے

داغؔ: اختر جان۔حجاب بھولنے کی چیز نہیں ہے وہ ایک خلش ہے ایک پھانس ہے کہ دل میں کھٹکتی رہتی ہے۔

اختر جان: اور ہم۔۔۔۔۔۔۔۔"

داغ: ادا ادا سے چھری پھیرتے رہو مجھ پر
ہنسی ہنسی میں میرا دم نکالتے جاؤ

اختر جان: واہ ---- بہت خوب -- یہ شعر نہیں بلکہ میرا انعام ہے۔ جی چاہتا ہے کہ آپ کو تنخواہ واپس لوٹا دیں اور مفت میں آپ کا دِل بہلائیں۔

داغ: داغ مفت خور نہیں۔

اختر جان: جو شعر آپ نے پڑھا اِس کی قیمت ایک کروڑ سے بھی زیادہ ہوگی اور جب آپ اپنی زبان سے اپنا شعر سُناتے ہیں تو شعر انمول ہو جاتا ہے۔ میں اِس کی قیمت ادا کیا کر سکوں گی۔ بلکہ آنے والا زمانہ بھی ادا نہ کر سکے گا۔

داغ: کم نہیں تلوار سے یہ کج ادائی آپ کی
مار ڈالا آپ نے ہم کو دہائی آپ کی

اختر جان: سُنا ہے کہ آپ حجاب کو پھر سے یہاں بُلانا چاہتے ہیں۔

داغ: تم نے صحیح سُنا ہے۔

اختر جان: اور حجاب کیا چاہتی ہے؟

داغ: حجاب چاہتی ہے کہ ہم اُن سے نکاح کر لیں

اختر جان: عقدِ نکاح اور اِس عمر میں۔ حضور لوگ کیا کہیں گے آپ کی عمر 70 برس سے تجاوز کر گئی ہے۔

داغ: حجاب مولوی آل احمد سے طلاق بھی لے چکی ہے۔

اختر جان: تو بات یہاں تک پہنچ چکی ہے۔

داغ: دو برس پہلے جب میں حضورِ نظام کے ساتھ 20 سال کے بعد وارِدِ کلکتہ ہوا تو میں

نے حجاب کو ڈھونڈنے کی بہت کوشش کی لیکن اُس کا کہیں اتہ پتہ نہ مل سکا ایک پُرانے احباب عبدالحمید سے ملاقات ہوئی اُنہوں نے ہی حجاب کے بارے میں اطلاع فراہم کر دی۔ عبدالحمید ہی ہمارا پیغام حجاب تک پہنچاتا ہے۔

اختر جان: اب کیا کریں گے آپ!

داغؔ: ہم نکاح کے لئے بھی راضی ہیں لیکن وہ چاہتی ہے کہ ہم انہیں الگ مکان میں ٹھہرائے اور تب تک وہ ہمارے سامنے نہیں آنا چاہتی جب تک کہ نکاح نہ پڑھوا لئے جائیں۔

اختر جان: یہ کیسی شرط ہے؟

داغؔ: ہمیں یہ شرط بھی منظور ہے لیکن پہلے ہم یہ تسلی کر لیں کہ حجابؔ حیدر آباد آئی ہیں۔ اُن کی تازہ کھچوائی ہوئی تصویر دیکھے گے وہ بھی حیدر آباد میں کھچوائی ہوئی ورنہ اگر کسی اور کے ساتھ نکاح پڑھوا لئے گئے تو ہم نہ اُدھر۔ کے رہیں گے نہ اِدھر کے۔

(موسیقی۔ فقط گنگھرو کی جھنکار)

☆

2

داغ: وہ ہم نہیں تو رہا کون سے حساب میں دل
کہاں سے لائیں جو تھا عالمِ شباب میں دل
ازل کے روز سے کم بخت ہے عذاب میں دل
خُدا نے مجھ کو دیا تھا بڑے عتاب میں دل

حجاب: خوب ۔ بہت خوب ۔ جوانی نہیں رہی لیکن دِل کی جوانی نہیں گئی۔

داغ: صحیح فرمایا تم نے 72 سال کا ہو رہا ہوں لیکن دِل کا بچہ جیسے ابھی جوان ہوا ہے۔

حجاب: نواب میرزا داغ دہلوی کے لئے کنیز اپنا وطن چھوڑ کر آئی ہے۔آپ نے لکھا تھا کہ آپ بھی میری وجہ سے کافی پریشان رہتے ہیں۔ مجھ سے آپ کا تڑپنا دیکھا نہ گیا۔ اِس لئے چلی آئی۔

داغ: شکریہ۔ نوازش ۔کرم کیسے نہ چلی آتیں ہم نے 22 سال تک تمہاری جدائی کے ناگ کو دودھ پلایا ہے اور خود کو ڑسواتے رہے۔

حجاب: لیکن آپ نے ایک وعدہ بھی کیا ہے۔ وعدہ کیا، معاہدہ ہوا تھا کہ آپ مجھ سے شادی کریں گے۔

داغ: میں اپنے وعدے پر آج بھی قائم و دائم ہوں۔

حجاب: تو جلدی کیجئے وعدہ نبھالیں۔

داغؔ: تم خوامخواہ گھبرا رہی ہو۔ میں نے تمہیں اِسی لئے بُلایا ہے تا کہ تم سے نکاح ہو جائے۔

حجاب: جب سے یہاں آئی ہوں تب سے آپ زیادہ تر وقت میرے ساتھ ہی گذارتے ہیں۔

داغؔ: ہاں! مجھے اِس بات کا احساس ہے کہ میں اپنے مردانے مکان میں کم بیٹھتا ہوں۔

حجاب: آپ کے دوستوں کو اعتراض ہوسکتا ہے؟

داغؔ: نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔ اور کیوں نہ تمہارا طواف کروں تقریباً 22 برس کے بعد تمہارا قُرب حاصل ہوا ہے۔

حجاب: اب آپ تشریف لے جائیں میری نماز کا وقت ہو چلا ہے۔

داغؔ: مُصلیٰ بچھا ہی ہے اور تسبیح بھی وہیں پڑی ہے۔
خُدا اور تمہارا معاملہ ہے میں بیچ میں نہیں آنا چاہتا تمہیں روک نہیں سکتا۔ میں جا رہا ہوں۔
خُدا حافظ

حجاب: خُدا حافظ

(تھوڑی سی موسیقی)

☆

3

داغ: افتخار عالم؟

افتخار: جی حضور؟

داغ: آج کا روزنامچہ تم نے لکھ دیا۔

افتخار: جی حضور۔ لکھ دیا۔ یہ دیکھ لیجئے۔ تاریخ پڑی ہوئی ہے، 25 جنوری 1902ء

داغ: تمہارے سوا یہاں کوئی نظر نہیں آرہا ہے۔ کیا یہاں کوئی نہیں آیا۔

افتخار: حضور ۔ سب آتے تھے لیکن کئی روز تک جب مسلسل آپ کے دیدار نصیب نہ ہوئے تو اُنہوں نے آنا بند کر دیا۔

داغ: کیوں؟

افتخار: آپ زیادہ وقت حجاب کے ساتھ ہی گزار دیتے ہیں۔ اِسلئے مردانے میں کم آتے ہیں آپ۔ شاید یہ بات انہیں ناگوار گزری ہے،

داغ: برادرم مرزا نواب بہادر حسن علی خان بھی نہیں آئے۔

افتخار: پچھلے دو روز سے نہیں آئے۔ جو خط آپ نے لکھوایا تھا اُس کے جواب میں لکھا تھا کہ اب مجھے روز کی حاضری سے معاف فرمایا جائے۔

داغ: افتخار میں جانتا ہوں کہ نواب حسن علی خان بڑے وضعدار غیور اور تیکھے بزرگ ہیں مگر

معاملہ یہاں تک پہنچا ہے مجھے اِس کا علم نہیں تھا۔

افتخار: اب کیا حکم ہے حضور!

داغؔ: آپ ایک خط لکھ لیجئے نواب صاحب کے نام۔ میں لکھواتا ہوں

افتخار: لکھوائیں حضورَ

داغؔ: لکھو (خط لکھوانے کے انداز میں)

نواب صاحب!

آپ تو بیٹھے بٹھائے کلیجے میں نشتر چبھو دیتے ہیں۔ یہ فقرہ کیوں کر دل دوز اور جگر افگار نہ ہو کہ اب مجھے روز کی حاضری سے معاف فرمایا جائے۔ مجھ سے جو کچھ ہوا دانستہ نہیں ہوا حجابؔ جیسی ہزاروں ہوں تو تمہارے خلوص تمہاری محبت پر نثار تم سے کیا پردہ ہے اور تم سے کیا چُھپا ہے تم اس پرچے کے جواب میں فوراً آؤ اور مجھ سے کچھ سنو"

تمہارا

داغؔ

افتخار: اب اِس خط کا کیا کرنا ہے حضور؟

داغؔ: تم میرے عزیز شاگرد ہو تم بھی پوچھتے ہو کہ اب اس کا کیا کرنا ہے۔ بھئی جلدی اِسے نواب صاحب کے یہاں پہنچانے کا انتظام کرو

(موسیقی)

☆

4

راوی:

مرزا داغؔ بڑے شگفتہ مزاج تھے، بڑھاپے کے عالم میں بھی جوانوں جیسے جذبات تھے وہی شباب کے دِنوں جیسا ہنسی مذاق وہی دل لگی۔ عالم پیری میں بھی تین چار چھوٹی چھوٹی لڑکیوں کو پال رکھا تھا

(کم سِن لڑکیوں کی ہنسی کی گونج)

داغؔ: تم لوگ فقط ہنسی جا رہی ہو۔ اِدھر جان پر بنی ہے، اُدھر تم لوگ زور زور سے ہنس رہی ہو۔ نزدیک تو آ جاؤ۔

صاحب جان: لیجئے آ گئی۔ (پھر ہنسی کی آواز)

داغؔ: امیرؔی تم دُور کیوں بیٹھی ہو؟

امیرؔی: لیجئے سرکار میں بھی پاس آ گئی

داغؔ: تم دونوں بھی آ جاؤ۔ سب میرے نزدیک آ جاؤ

(پھر ہنسی کی آوازیں ایک ساتھ)

امیرؔی: سرکار۔ آج تین دِنوں کے بعد آپ نے ہمیں یہاں اپنے پاس بُلا لیا۔ ہمیں آپ خدمت گذاری کا موقع نہیں دیتے؟

داغؔ: امیرؔی! بہت سارے لوگ ہم سے ملنے آتے ہیں۔ وقت کہاں ہے ہمارے پاس۔

صاحب جان: پھر کیا ہم مفت میں آپ کی تنخواہ ہضم کریں۔

داغ: مفت میں کیوں ہفتے میں ایک دو بار ہم تمہیں بُلا لیتے ہیں، اور تم لوگوں سے ہنسی مذاق کرتے ہیں،

امیری: آپ تو زیادہ دلچسپی اختر جان میں لیتے ہیں ہمیں سب معلوم ہیں۔

داغ: اختر جان سے ہم فقط گا ا سُنتے ہیں تم لوگوں کو ابھی گانے کی اتنی مہارت نہیں۔

صاحب جان: چھوڑیئے چھوڑیئے، یہ سب بہانے ہیں۔

داغ: امیری۔ تم خامخواہ ناراض ہو رہی ہو۔ چلو اب میں ایک کام کرتا ہوں تمہاری ناراضگی ختم ہو جائے گی

امیری: حضور کہیئے بھی؟

داغ: ہم تم سے نکاح کر لیتے ہیں

(سب لڑکیاں ہنستی ہیں)

امیری: سرکار۔ آپ کے سر کے بال پورے سفید مُنہ میں دانت ندارد، آپ سے شادی کر کے کیا کروں گی۔

(سب لوگ ہنستے ہیں)

(اِسی میں دروازے پہ دستک ہوتی ہے۔ لڑکیاں چھلانگیں مارتی ہوئی بھاگ جاتی ہیں۔ دوڑنے کی آواز ہیں۔ کئی لوگ ایک ساتھ دوڑتے ہیں)

افتخار: اسلام علیکم حضور

داغ: وعلیکم اسلام۔ تمہیں دیکھ کر سب لڑکیاں بھاگ گئیں۔

جان بھی جائے تو میری جاں ہنستے بولتے

(موسیقی گنگھرو کی جھنکار)

☆

5

حجاب: آپ کی عیاشی اب حدود پار کر چکی ہیں (لہجے میں سختی)

داغ: میں کچھ سمجھا نہیں؟ (معصومیت کے ساتھ)

حجاب: آپ سمجھ کر انجان بن رہے ہیں آپ سب جانتے ہیں، میں کیا کہنا چاہتی ہوں۔

داغ: مُنہ سے بھی کچھ کہو۔یوں گھما پھرا کے بات مت کرو۔

حجاب: میں نے کئی بار آپ سے التجا کی کہ اب اختر جان سے تعلق توڑ دیں۔لیکن وہ مسلسل آپ سے تنخواہ حاصل کر رہی ہے۔

داغ: حجاب! میرا اختر جان سے کوئی ایسا تعلق نہیں ہے کہ تمہیں فکر مند ہونا پڑے۔

حجاب: میں چاہتی ہوں کہ اختر جان کو آپ باقاعدہ نوکر نہ رکھے۔اگر کبھی گانا سُننے کا من کرے تو اِسے بُلا سکتے ہیں آپ۔

داغ: تمہیں اختر جان پسند نہیں۔ہم اِسے تعلق توڑ دیں گے۔تمہاری خاطر ہمیں یہ بھی منظور ہے۔اب خوش ہونا

حجاب: ابھی میری تمام آرزویں پوری نہیں ہوئی

داغ: تمہاری آرزویں ہمارے تمناؤں کی قاتِل ہی صحیح لیکن تمہاری ساری حسرتیں ہم پوری کر دیں گے۔

حجاب: اور کتنا وقت لگے گا؟

داغ: سر کاٹ کے رکھ دوں گا رہِ دوست میں اپنا
سجدہ مجھے کرنا نہیں آتا ہے جبیں سے

حجاب: سبحان اللہ ۔ بہت خوب ہے

داغ: شکریہ

حجاب: میں انے اپنا وعدہ نبھایا ہے آپ کے پاس چلی آئی۔

داغ: میں بھی اپنا وعدہ نبھاؤں گا۔

حجاب: کب؟

داغ: وعدہ نہ کیا تھا یہ کسی اور سے کہیے
پھر ہم سے نہ کہنا یہ کسی اور سے کہیے

حجاب: بہت ہو چکا اب ہم سے نکاح کیجئے گا

داغ: میں نے کب کہا کہ میں نہیں کروں گا!

حجاب: میں آگ میں جل رہی ہوں جب تک آپ ، مجھ سے نکاح نہیں کریں گے تب تک میرا جینا حرام ہے۔

داغ: تھوڑا اور وقت چاہئے۔ بس تھوڑا انتظار کرو۔

(موسیقی)

☆

6

سائل دہلوی: حجاب رنڈی آتے ہی تمہارے، خالو جان حضرت داغ دہلوی نواب میرزا خان پر
چھا گئی۔ نام اتنا لمبا اور کام اِتنا گھٹیا۔
لارڈلی بیگم: دیکھیے۔ پورا ہندوستان اِن کا نام لیتے ہوئے تقدس اور احترام کا دامن تھام لیتا
ہے آپ ہیں کہ۔
سائل دہلوی: لارڈلی بیگم! میں اب آپ کے خاندان سے منسوب ہوں آپ کے خاندان کی
عزّت سے اب میرا بھی لینا دینا ہے۔ اُوپر سے اس معروف شاعر نے آپ کو گود لیا
ہے آپ اِن کی آغوشی بیٹی ہے اور میں داماد۔ میں کہتا ہوں کہ حجاب رنڈی نے اِن پر
آتے ہی اپنا احتساب قائم کیا ہے۔
لارڈلی بیگم: اِس میں بُرا ہی کیا ہے۔ حجاب اِن سے شادی کرنا چاہتی ہیں۔
سائل دہلوی: اگر یہ شادی ہوگئی تو سمجھو شاعر صاحب نہ دین کے رہیں نہ دُنیا کے۔ ابھی یہ رنڈی
آئی نہیں کہ اِس نے اپنی حکومت شاعر محترم کے ساتھ ساتھ ہمارے پورے
خاندان پر چلانا شروع کر دی۔
لارڈلی بیگم: آپ کی باتوں میں کچھ کچھ سچائی بھی ہے
سائل دہلوی: کچھ کچھ نہیں بلکہ میرے مُنہ سے نکلا ہر اِک لفظ سچائی کے نور میں ڈوبا ہوا ہے۔
لارڈلی بیگم: سائل صاحب! اب ہمیں کیا کرنا چاہیئے؟

سائل دہلوی: ہمیں سب سے پہلے اِس شادیکو روکنے کے لئے اقدام کرنے چاہئے۔
کیوں کہ اگر یہ شادی ہوگئی تو رنڈی ساری جائیداد اپنے نام کروائے گی اور ہم سب
سڑک پر آجائیں گے۔

لارڈلی بیگم: اِس شادی کو کیسے روکا جاسکتا ہے؟

سائل دہلوی: میرے پاس ایک ترکیب ہے

لارڈلی بیگم: کونسی ترکیب؟

سائل دہلوی: ہمیں داغ صاحب کے دوستوں کے ساتھ یہ مُدّعا اُٹھانا چاہئے۔

لارڈلی بیگم: ٹھیک فرمایا آپ نے ۔ہم آج ہی نواب حسن علی خان صاحب سے ملتے ہیں۔
نواب صاحب کی بات وہ نہیں ٹال سکتے۔

(موسیقی)

☆

7

داغ:

جنوں میں جب میرے لب سے فُغان نکلتی ہے
زبانِ خار سے بھی الاماں نکلتی ہے

نواب حسن علی خان: واہ۔ بہت خوب ۔لیکن حضرت جنوں ٹھیک نہیں وہ بھی اِس عمر میں

داغ: نواب حسن علی خان صاحب ۔ ہم آپ کی بات سمجھنے سے قاصر ہیں۔

نواب حسن علی خان: مجھے آپ کی زبردست فکر لگی رہتی ہے

داغ: فِکر

نواب حسن علی خان: ہاں میرے محسن فکر!

داغ: اب ہماری زندگی گلزار ہورہی ہے اور آپ۔۔۔۔۔۔۔

نواب حسن علی خان: جِسے آپ پھولوں کی سیج سمجھ رہے ہیں وہ دراصل کانٹوں کا تاج ہے

داغ: آپ فوراً مدّعے پر آجائیں؟

نواب حسن علی خان: ٹھیک ہے میں مطلب کی بات بتاؤں گا۔حجاب نے آتے ہیں۔آپ پر احتساب قائم کیا۔ آپ کے تمام شوق چھُڑوادیئے۔ گانا ۔ مجرا ۔ موسیقی۔ طوائفیں۔سب کچھ تو چھوٹ گیا۔

داغ: ہاں چھوٹ گیا۔ پتنگ بازی اور کبوتر بازی کے ہم بچپن سے شوقین رہے ہیں۔گو

خود اِن مشغلوں میں حِصّہ نہیں لیتے۔ اِن چیزوں کے تماشہ بین ضرور رہے ہیں۔ یہ دونوں شوق بھی چھوٹ گئے مگر اِس سے کیا ہوتا ہے۔

نواب حسن علی خان: کسی کے کہنے پر آج تک آپ نے کوئی شوق ترک کر دیا ہے؟

داغ: نہیں۔ کِس کی مجال ہے کہ ہم سے اپنے مشغلوں کو ترک کرنے کیلئے کہے، کوئی کہے بھی۔

نواب حسن علی خان: لیکن میرے ہمراز۔ حجاب نے آپ سے یہ شوق چھڑوا دیئے۔

داغ: ہاں بھئی ہاں

نواب حسن علی خان: مجھے معاف کریں! یہ محبت نہیں یہ غلامی ہے۔ آپ جان بھوج کر غلامی کا طوق اپنے گلے میں ڈال رہے ہیں۔ حجاب ایک جہاں دیدہ عورت ہے۔ وہ پہلے آپ پر اپنا احتساب قائم کرنا چاہتی ہے پھر شادی اور اُس کے بعد۔۔۔۔۔۔"

داغ: ہم سمجھ گئے نواب صاحب

نواب حسن علی خان: کہیں دولت حاصل کرنے کے لئے حجاب آپ سے نکاح تو نہیں کرنا چاہتی۔ ہم اور آپ دونوں چراغِ سحری ہیں۔

داغ: آپ صحیح فرما رہے ہیں اِس پر میں ضرور غور کروں گا۔

(موسیقی غم میں ڈوبی ہوئی)

☆

8

داغ: قدم رکھو جو آنکھوں پر تو اِن کا وصل ہو جائے
ہماری آنکھ میں تل ہے تمہارے پاؤں میں تل ہے

حجاب: اب تو وصل ہونے والا ہے۔ تاریخ تو پہلے ہی طے ہوئی ہے۔

داغ: حجاب ۔ابھی تمہیں اور انتظار کرنا ہوگا

حجاب: "کیا" "کیا کیا"۔ "کیا" کہا آپ نے (غصّے میں)

داغ: میں نے کہا ابھی انتظار کرو

حجاب: میں اب اور انتظار نہیں کر سکتی۔ میں سب سمجھتی ہوں۔ یا آپ کی نیت میں پہلے ہی سے کھوٹ ہے۔ یا آپ کو کسی نے بہکا دیا ہے۔ میں سب سمجھتی ہوں۔ خُدا غارت کرے میرے دُشمنوں کو۔

(غصّے میں تھوڑی سی کمی)

داغ: حجاب۔ تمہارا کوئی دُشمن نہیں ہے یہاں۔ یہاں سب تمہارے خیر خواہ ہیں۔

حجاب: میں سمجھتی ہوں۔ کون میرا خیر خواہ، کون نہیں۔ مجھے لگتا ہے جِسے میں خیر خواہ سمجھتی ہوں وہ بھی دُشمن ہے میرا۔

داغ: تم ہمیں دُشمن کہتی ہو۔ ہمیں ۔جنہوں نے تمہیں آنکھوں پہ بٹھایا۔ سر چڑھایا۔ تمہاری محبت کو بڑھاپے میں بھی گلے سے لگایا۔ کلیجے سے لگایا ۔ہم اپنی بدنامی سے

بھی نہیں ڈرے۔

حجاب: میں بھی اپنا وطن چھوڑ آئی ہوں۔ آپ کی خاطر۔ ہزار تانے سہیں آپ کی خاطر۔ اپنے متعلقین کو چھوڑ آئی۔ آپ کی خاطر فقط ایک بھائی خُدا بخش کو ساتھ لائی تھی۔ وہ بھی آپ کے تلوے چاٹ رہا ہے۔

داغ: خُدا بخش کو میں بہت چاہتا ہوں۔ مجھے وہ بہت عزیز ہے

حجاب: میرے کچھ متعلقین کلکتے سے یہاں آرہے ہیں۔

داغ: متعلقین ۔ یہاں آرہے ہیں، کیوں؟

حجاب: میرے ساتھ رہنے کے لئے کیوں کہ اُن کی واحد کفیل میں ہوں۔ میری وجہ سے اُن کا روزگار چلتا تھا۔

داغ: وہ کتنے ہوں گے؟

حجاب: کم از کم پندرہ۔ اور اُن سب کے لئے آپ کو ایک نیا مکان کرایہ پہ لینا ہوگا۔

داغ: لیکن وہ آپ پر بھوج کیوں بن بیٹھے ہیں خود کما کر کیوں نہیں کھاتے؟

حجاب: اُن کی مرضی

(موسیقی)

❀☆❀

9

داغ: افتخار عالم میاں

افتخار: حضور

داغ: نواب حسن علی خان کئی دنوں سے یہاں نہیں آئے

افتخار: شاید کسی ذاتی کام میں پھنس گئے ہوں

داغ: ایک خط اُن کے نام لکھوار ہا ہوں۔ ذرا قلم، اُٹھانے کی زحمت کرو

افتخار: لکھوائیں حضور؟

داغ: لکھو میاں! نواب صاحب مکرم! سلمہ اللہ تعالیٰ! (لکھواتے ہوئے) حجاب کی ضروریات پوری نہیں ہوتیں۔ حالانکہ ان کی یہی ضروریات جب اعزہ اِن کے پاس یہاں نہیں تھے تو اچھی طرح سے پوری ہو جاتی تھیں۔ آئے دن سرگرداں رہتی ہیں وہ ہنسی دل لگی وہ ٹھٹول سب غائب اکثر معمولی باتوں پر اختلاف اور جھگڑا کر بیٹھتی ہیں آپ سے بارہا گزارش کر چکا ہوں کہ آپ ہی انہیں سمجھائیں۔ میری عمر کا تقاضا یہ نہیں کہ۔۔۔۔۔۔"

نواب حسن علی خان: (خط پڑھنے کے انداز میں)

"۔۔۔۔۔۔ ان کی تلوں مزاجی کا متحمل نہ ہو سکوں پھر جہاں تک ہو سکتا ہے۔ پہلو تہی کرتا ہوں۔ آپ اُن کے اور میرے حالات پر پوری نظر رکھتے ہیں۔ کچھ تو

سوچئے فکر کر کے مجھے بتائیے۔ کل اختر جاں کے باب میں دیر تک جھگڑا کرتی رہی۔
گانا سُننے کا نہ صرف مجھے شوق ہے بلکہ موسیقی کا دیوانہ ہوں۔ اِن ناچاقیوں میں میری
یہ خواہش کیسی پوری ہو میں آپ کا منتظر ہوں۔ سواری بھیجتا ہوں جلد تشریف لائیں۔

الٰہی تو نے حسینوں کو کیوں کیا پیدا
کچھ اُن کی ذات سے دُنیا کا انتظام نہیں

نواب حسن علی خان: حضرت داغ گئے کام سے۔ انہیں بہت سمجھایا تھا لیکن سمجھتے کہاں ہے
پھر بھی شکر ہے اللہ کا نکاح نہ ہوا ورنہ۔۔۔۔۔" خیر حجاب سمجھ بیٹھی ہے کہ داغ شاہِ
دکن کے اُستاد ہیں ہزار روپیہ تنخواہ ہے یہاں آ کر داغ پر قبضہ جمالیں گی اور عیش
کرے گی۔ لیکن ہم یہ نہیں ہونے دیں گے۔ اب ہم ہی جا کر حجاب کو سمجھائیں
گے۔ اپنے دوست کی خاطر۔ ہوسکتا ہے کہ راہ پر آئے۔

(موسیقی)

☆

10

داغ:

طور بے طور ہوئے جاتے ہیں
وہ تو کچھ اور ہوئے جاتے ہیں
یہ عنایت پہ عنایت ہے سِتم
لطف بھی جو ر ہوئے جاتے ہیں
اب تو بیمار ِ محبت تیرے
قابلِ نمود ہوئے جاتے ہیں
نشہ ٔ ہوتا ہی نہیں اے ساقی
بے مزہ دور ہوئے جاتے ہیں

داغ: اِس کم بخت حسینا نے ہمارا جینا حرام کر دیا ہے۔ فرمائیشوں پہ فرمائیش۔ ایک فرمائیش ہو تو پوری کروں فقط اُس کی اپنی ضد ہوتہ پوری کروں، وروں کے بھی نخرے اُٹھانے پڑ رہے ہیں۔ اُن کے متعلقین کی ضرورتیں بھی پوری کرنی پڑ رہی ہیں۔ میں اب تنگ آچکا ہوں اُوپر سے حجاب کے نخرے اُس کا بات بات پر روٹھنا۔ میاں داغ اُس کے ناز اُٹھانے کی یہ عمر نہیں ہے تیری۔

(دروازے پہ دستک)

داغ: کون؟ افتخار میاں تم ۔ اندر چلے آؤ۔

افتخار عالم: اسلام علیکم حضور

داغ: وعلیکم اسلام عالم تم وقت پر آئے ہو۔ آؤ ۔ یہاں بیٹھو ہمارے نزدیک

افتخار عالم: کیوں حضور خیریت تو ہے؟

داغ: ایک بس خیریت ہی نہیں۔ باقی سب کچھ ہے۔ تم قلم اُٹھاؤ ۔ میں خط لکھوا رہا ہوں

افتخار عالم: حضور ۔لکھوائیں

داغ:

لکھو! جنابِ من

"میرا جو منشا ہے وہ نواب صاحب کی زبانی کہلوا چکا ہوں اِس سے زیادہ کی مجھ سے اُمید نہ رکھو۔ مکان کا کرایہ میرے ذمے۔تمہارے ملبوس اور دوسرے متعلقات میرے ذمے۔تو پھر سو روپے تمہارے لئے کافی کیوں نہیں ہیں۔ اِدھر اُدھر سے قرض لینا اچھا نہیں خود ذلیل اور میں مطعون ہوتا ہوں۔اُن لوگوں سے جو تمہارے سر ہیں کہہ کر خود اپنے کفیل ہوں دوسرے پر بار بننا کسی طرح مناسِب نہیں......"

حجاب: ۔۔۔۔۔۔۔خُدا بخش تاریخ درود سے بے تعلق ہے اِس کو میرے متعلق سمجھو، اِس کی آمد ورفت تمہارے یہاں میرے منشا پر ہے ورنہ وہ خود تم سے شاکی ہے اور ذرا بھی تمہارا روادار نہیں۔ یہ چلن یہ محاسبہ دِلوں میں کرو کیا گنجائش دلوں میں پیدا کر سکتے ہیں، نواب صاحب آئیں تو بھیجوں، تمہاری باتیں میری سمجھ میں تو آتی

نہیں ہیں یکا یک جو تغیر ہو گیا ہے۔ اِس کی وجہ خُدا کے سوا کِسے معلوم ہو سکتی ہے۔ نواب صاحب سے کل اُمور پر صاف صاف اپنا ارادہ ظاہر کرو، اگر کلکتے کی واپسی چاہتے ہو تو کُھل کر بتاؤ مجھے کیا انکار ہو سکتا ہے۔ ہر چیز تمہاری مرضی پر ہے اور اب بھی ہو گی ناراض ہو کر جانا منظور ہے تو کون روک سکتا ہے۔

حجاب: اِس کا مطلب ہے میرزا داغ دہلوی کا دِل اب ہم سے بھر چکا ہے۔ اب ہمیں حیدر آباد چھوڑنا ہی ہو گا اِس کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ میں طوائف ہی سہی۔ لیکن میرا بھی ایک ضمیر ہے میری بھی کوئی عزت ہے۔

(موسیقی دِل دہلانے والی)

☆

11

افتخار عالم: حضور کیا سوچ رہے ہیں؟

داغ: سوچنے کے لئے کیا رہ گیا۔ جب سے حجاب کو بدمزگی کے ساتھ رُخصت کیا ہے۔ تب سے نہ دِل قابو میں ہے نہ دماغ (آواز یں تھوڑی سی کمزوری)

افتخار عالم: حجاب چلی گئیں۔ آپ کی پریشانیاں بھی کم ہونی چاہئے تھیں۔ کیونکہ اُس کی وجہ سے آپ کی پریشانیوں میں بہت اضافہ ہوا تھا۔

داغ: افتخار میں بھی یہی سمجھ رہا تھا۔ میں نے حجاب کو اِس لئے حیدر آباد چھوڑنے پر مجبور کر دیا کیوں کہ مجھے لگ رہا تھا کہ میں حجاب کو بھول جاؤں گا۔ لیکن اُس کے غم نے قیامت کی چال چلی۔ میں اُس کے غم میں ڈوب رہا ہوں۔ غم کا سمندر اِتنا گہرا ہے کہ اِس میں سے زندہ نکل کے آنا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔ اب ہاتھ پاؤں مارنے سے کچھ نہ ہوگا۔

(دروازے پہ دستک)

افتخار عالم: کون ہے؟

ملازم: میں ہوں صاحب

افتخار: ہاں سلامت علی! کیا بات ہے؟

ملازم: حضور سے کہہ دیں کہ کوئی طوائف آئی ہیں۔ اُس کے ساتھ پارٹی بھی ہے۔ کہہ رہی ہے کہ حضور کے سامنے مجرا پیش کرے گی۔

داغ: نہیں ۔رحمت علی ۔اُسے کہہ دو ہم نے گانا سُننا چھوڑ دیا ہے۔

ملازم: حضور ۔میں کہہ دوں گا

افتخار عالم: حضرت! جب سے حجاب گئی ہے تب سے آپ نہ گانا سُنتے ہیں نہ کسی چیز سے دل بہلاتے ہیں۔ عطر کا شوق بھی کم ہو گیا۔ اور کھانا بھی کم کھانے لگے ہیں۔

داغ: اِتنا ہی نہیں اب منہ کا ذائقہ بھی نہیں رہا۔ قوتِ شاقہ مفقود ہو گی۔ کِسی بات میں مزا نہیں آتا۔

افتخار عالم: اتنا کیا ہے حجاب میں؟

داغ: یہ سب حجاب میں ہے کہ حجاب میں کیا ہے۔ یہ تم نہ سمجھو گے۔ حجاب میں کیا ہے تم اِس بات سے اندازہ لگا سکتے ہو کہ میں نے زندگی میں پانچ عشق کئے ہیں۔ تین کو تو میں بھول چُکا ہوں لیکن دو رگ و ریشے میں سرائیت کر چکے ہیں۔

افتخار عالم: وہ دو عشق کون سے ہیں حضور

داغ: ایک حضرتِ خواجہ معین الدین چشتیؒ سے اور دوسرا حجاب سے

کیا کہوں جو نزع کی حالت میں، دل کا حال ہے
ایک تو عقبیٰ کا غم، اِس پر جدائی آپ کی۔

راوی:

اس طرح داغ کی حالت بد سے بدتر ہونے لگی پھر ستمبر 1904ء سے بیمار ہی ہو گئے اور مسلسل بیمار ہوتے رہے۔ سلسلے نے طول پکڑ لی پانچ چھ مہینے مسلسل بیمار رہ

کر 15 فروری 1905ء کو اللہ کو پیارے ہو گئے۔ یہ دن عید کا تھا کیوں نہ ہوتا داغ عید کے دن پیدا بھی ہو گئے تھے۔ عید کا دن تھا ہر طرف خوشی کا ماحول تھا داغ خوشی خوشی واصل حق ہوئے۔ عید کی نماز کے ساتھ نمازِ جنازہ حیدر آباد کی سب سے بڑی مسجد "مکہ مسجد" میں ہوئی اور درگاہِ یوسفین میں سپرد خاک ہوئے۔

داغؔ تجھ کو باغِ جنّت ہو نصیب

ختم شُد

☆
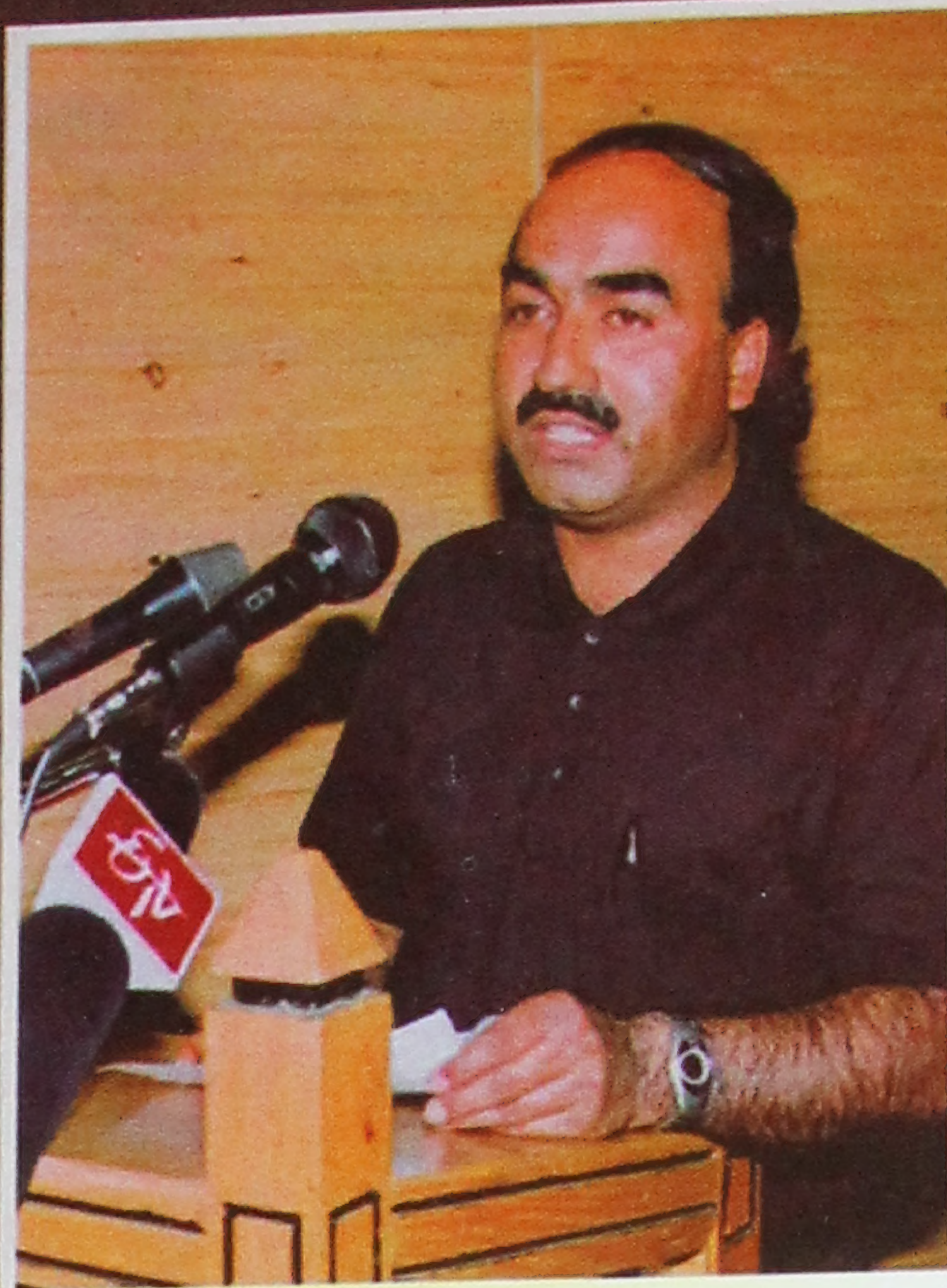
اشرف عادل کے ڈراموں میں کئی رنگ نظر آتے ہیں لیکن یہ رنگ ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں وہ اپنے ڈراموں میں فرسودہ اور روایتی انداز کو نظر انداز کرتے ہیں اور ہمیشہ نئے موضوعات کے تلاش میں رہتے ہیں انکے ڈراموں میں بدلتے حالات کا ذِکر بھی ہے درد و کرب بھی اور زندگی کی نغمہ گی بھی ملتی ہے

نور شاہ
صدر اردو اکادمی جموں کشمیر

Meezan Publishers
Opp. Fire & Emergency Services H/QRS, Batamaloo, Srinagar 190009 Kashmir
Ph: 2470851 Fax 0194-2457215 Cell: 9419002212
Email: meezanpublishers@gmail.com / meezanpublishers@rediffmail.com

ISBN 978-93-80691-24-4
978-93-80691-24-4